اصغر گونڈوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ردیف الف)

١

یاں فہم کا کچھ دخل نہ کچھ فکر رسا کا
ہر برگ میں ہر پھول میں جلوہ ہی خدا کا

سبحانک سبحانک یا خالقِ احمد
میں کون ہوں دعویٰ جو کروں تیری ثنا کا

وہ نور بنایا کہ فرشتوں میں ہی اب تک
غل صلّ علےٰ صلّ علےٰ صلّ علےٰ کا

ہر شی سے مبرّا ہی تری ذاتِ مقدس
نے زن ہی نہ فرزند نشاں نے شرکا کا

اے قبلۂ حاجات دو عالم یہ دعا ہی
ہو مجھ کو قلق غم سے ترے قبلہ نما کا

ہیں دشمنِ ایمان یہ صنم مجھ کو بچانا
دیکھو نہ کبھی شوق سے مجھے ان کی جفا کا

شوخی وہ غضب غمزہ یہ آفت وہ ستم ناز
یاں صبر کی کیا تاب جو لے نام وفا کا

عاشق کی منہ سے آنکھ نظر بھی نہ کریں اور
بے دید کریں عذر شکایت پہ حیا کا

نسبت دلِ کافر کو نہیں خالِ سیہ سے
ہر پیچ و خمِ کاکلِ پرخم ہی بلا کا

ابرو کا اشارہ ہی پئے قتل مسلماں
ہر چند پکارا کرے بندہ ہوں خدا کا

رفتار سے پامال ہو صوفی کا بھی دل آہ
انداز ہی اس طرح کا ہی جنبشِ پا کا

اصغر کو چھٹا جور و ستم سے کہیں ان کے
جلدی اسے اثر ہووے جو ہونا ہی دعا کا

سب غلط ہی سب کا کیوں تو امتحاں لینے لگا
دل لیا تھا کب رقیبوں سے کہ جاں لینے لگا

کیا جلایا ہی مجھے اس آہِ عالم سوز نے
انتقام اک جان سے سارا جہاں لینے لگا

بوالہوس نے عاشقِ بادِ صبا سمجھا مجھے
ہیں جو بوئے طرۂ عنبر فشاں لینے لگا

ہوگئے لب نیلگوں ہمدم نزاکت دیکھنا
خواب میں بوسے جو شب یہ نیمجاں لینے لگا

ہیں موا اس وہم سے جاگا نہ ہو شب کو کہیں
صبح جو وہ مستِ ناز انگڑائیاں لینے لگا

کوچۂ جاناں میں بہرِ دفن لی ہم نے جگہ
ہول کوئے غیر میں جب وہ مکاں لینے لگا

دیکھنا ربطِ نہاں دشمن کا اس الفت پہ بھی
مجھ سے پیمانِ وفا وہ بدگماں لینے لگا

گر ہوا سے ہل گیا ہووے تو کہہ سکتا نہیں
آپ کا بیمارِ غم کروٹ کہاں لینے لگا

مجھ کو آتی ہیں دلِ دشمن میں لینی چٹکیاں
لیک جب چاہا کہ لوں وہ چٹکیاں لینے لگا

نالہائے متصل سے دم جو آیا ناک میں
دامِ طرزِ جور اُن سے آسماں لینے لگا

صاف مے سے دردکش کو اس قدر غیبت کہاں
ہیں پیالہ غیر سے کیوں مہرباں لینے لگا

جاں فزا شیریں کلامی ہی نہایت ان دنوں
منہ میں اصغرؔ کس شکر لب کی زباں لینے لگا

جنگ میں ہم نے کب کیا اُن سے بچاؤ جان کا
صلح ہوئی پر اب کیا قصد ہی امتحان کا

سینہ میں ہی خدنگِ ناز ای دلِ زار دیکھنا
ہو نہ دقیقہ واگذاشت خاطرِ میہمان کا

پوچھے کوئی کہ روشناس اس سے ہی تو تو کیا کہو
کھو کے دل اپنا آپ میں چور بنا جہان کا

وصل ہی جلد لا شراب ہجر میں توبہ کی تو کیا
تھا ہذیان اور اعتبار اپنی نہ تھا زبان کا

آئے وہ جان کی نثار مر گئے آگیا قرار
ہیں قدم سے یار کے سود ہے زیان کا

محو جفا سمجھ کے یار کھینچے نہ تا ستم سے ہاتھ
کرتے ہیں ہم فریب سے غلغلہ الامان کا

عشق چھٹا تو کیا چھٹا آمد و شد ہی کوچہ میں | داغ گیا تو کیا گیا داغ رہا نشان کا
تیری ہی ہر جگہ ہی راہ ورنہ برنگ مہر و ماہ | مجھ کو پھرائے دربدر حوصلہ آسمان کا
سجدۂ در پہ تجھے کبھی بخت سے کچھ سو آج تک | ملنے میں اُن کو عذر ہی ذلت پاسبان کا

یونہی ہوا ای خدا تباہ جلد یہ چرخ پیر بھی
جیسے کیا تباہ حال اصغر نوجوان کا

(۴)

بعد تاثیر قلق کم قلق اپنا ہوگا | درد اگر درد نہ ہوگا تو مداوا ہوگا
کیا ہی بگڑیں گے وہ جب اور بھی اُن سا ہوگا | آئنہ دیکھنے بیٹھے ہیں تماشا ہوگا
بے طرح حسرت دیدار میں جوش آتا ہی | آج آنکھیں ہی نہ ہووینگی جو رونا ہوگا
کیا تلاش می و مطرب ہیں پھر جا بجا ہم | یہ تو سامان سب اک دم میں مہیا ہوگا
دل پہ کیا جانیے کیا موئے مژہ سے گذرے | خار سے جن کا نہ دامن کبھی اُلجھا ہوگا
شرم رہ جائے گی ان ہچکیوں کی پس مرگ | پردہ در گر نہ مرا نالۂ رُسوا ہوگا
بار خاطر ہی نزاکت سے پہ رکھتا ہو وہ شوخ | میرا کینہ ہی مگر خاطر اعدا ہوگا
ہوگئے زندہ پئ شکر شہیدان وفا | رنج قتل اب انھیں مقتل میں دوبارا ہوگا
حسرت وصل کی تاثیر بھی ہوگی تو بھی | گلۂ ولولۂ حوصلہ فرسا ہوگا
کھل گئی طینت ناصح نہ فزوں ہو کیوں عشق | جتنا کہتا ہی یہ بد اُتنا وہ اچھا ہوگا

میرے مضمون کمر یار سے نازک تر ہیں
اصغر اُس کو نظر آویں گے جو دانا ہوگا

(۵)

اُٹھا کبھی جو دل سے تو بالائے سر رہا | جو ہاتھ اک شب تری زیر کمر رہا

ہی کس میں تابِ لطف نہ کہا جان پند گو
نامہرباں نہیں جو جفا بیشتر رہا

تاثیرِ عشق بھی ہی ستم شب فغاں کے ساتھ
یاں دردِ دل رہا اُسے واں دردِ سر رہا

غفلت غرورِ حسن تساہل ہی اک ادا
معشوق رمز داں ہی اگر بے خبر رہا

باہم نبھی تو آج تلک لیکن اس طرح
میں گھر میں آستانہ پہ رختِ سفر رہا

برگشتہ بخت و آہ رسا نے ستم کیا
وہ مہرباں رہا مگر اغیار پر رہا

ناکامیوں سے کام نہ نکلے تو کیا کروں
غم میں کشش رہی نہ فغاں میں اثر رہا

اُن سے ستم شعار سے ارماں ہی چاہ کا
جان کا ہے کو رہے گی یہی دل اگر رہا

اصغر کمالِ عشق میں جز نقص کچھ نہیں
سچ ہی سپہر دشمنِ اہلِ ہنر رہا

۶

میں خوگرِ ستم وہ دل آزار ہو گیا
مرنا زیادہ جینے سے دُشوار ہو گیا

گر خود فروش وہ ہیں تو ہم سر فروش ہیں
کیا جانے کون کس کا خریدار ہو گیا

آئیں گے آج وہ بھی کہ دروازہ خود بخود
وا میرے جذبِ دل سے کئی بار ہو گیا

لکھتا ہوں خط میں مصلحتہً شکر ای ندیم
اب واں رقیب محرمِ اسرار ہو گیا

دے چارہ گر شراب کہ بھولے غمِ فراق
پرہیز کرتے کرتے میں بیمار ہو گیا

غمازیہ سرشک ہی رونے سے فائدہ
ہونا جو تھا سو دیدۂ خونبار ہو گیا

ای رشکِ حور تو ہی وہ یوسف کہ تیرے ہاتھ
یوسف سا بک گیا جو خریدار ہو گیا

جس شب وہ جلوہ گر ہوئے وہ روز بن گئی
جس دن وہ گھر گئے وہ شبِ تار ہو گیا

یہ روئے ہم کہ دامنِ دلدار تر ہوا
وہ دے کے می عدو کو گنہگار ہو گیا

اصغر ہی جذبِ عشق مگر کیا اُسے بلاؤں
گھر ازدحامِ شوق سے بازار ہو گیا

۷
سنگ در اُس کا اور مرا سر تھا
آسماں خاکِ اُس کے در پر تھا
شب جو وہ مہروش مرے گھر تھا
گھر کا سایہ تلک منوّر تھا
دل کو پامال کر دیا ناحق
اے بتو کچھ خدا کا بھی ڈر تھا
تم نے بھی شاید اپنے بوسے لیے
ورنہ کیوں آئنہ مکدّر تھا
ہو گئے فرشِ خاک اہلِ فلک
بام پر کون جلوہ گستر تھا
جان دیتی ہے ان لبوں پر خلق
اب مسیحا کو رہنا دوبھر تھا
سرگزشت امتحاں کے بعد نہ پوچھ
تو نے جو کچھ کیا وہ بہتر تھا
صبر کس طرح آئے اے ناصح
اور ہی عالم آج اُس پر تھا
چرخ نے جور سے لیا نہ ہو دم
رات آیا وہ کیوں مرے گھر تھا

گزری خوش دردِ غم کی اصغرؔ تک
ایک ہی مرد دوست پرور تھا

۸
تھا اثر افغاں میں پر آخر مرا دم ہو گیا
ہائے کیا ہنگامۂ امید برہم ہو گیا
درد دل شوقِ نہاں گویا کہ دونوں ایک ہیں
وہ بڑھا تو یہ بڑھا وہ کم تو یہ کم ہو گیا
کل کیا ہے اس نے وعدہ امتحانِ عشق کا
آج ہی سے خانۂ دشمن میں ماتم ہو گیا
چھوڑتے ہیں زندہ کوئی نالہائے متصل
دشمن اپنی جان کا الزام پیہم ہو گیا
پھٹ گیا دل یار سے اب تا دمِ رونا کہاں
چاکِ دل ناسور دل پر میرے مرہم ہو گیا
دی مئے لبِ خوردہ اس نے آج میرے رشک سے
تھا جو جامِ جم وہ داغِ حسرتِ جم ہو گیا

قتل کرتا ہے وہ بت اصغرؔ گماں سجدہ پر
بارِ خونِ آرزو سے سر زبس خم ہو گیا

(۹)
کیا باعثِ شادی غمِ آلام نہ ہوگا
وہ رم نہ کریں گے اگر آرام نہ ہوگا
ناکام بھی جیتے رہے ورنہ یہ یقیں تھا
مرجائیں گے گر بر میں وہ خود کام نہ ہوگا
پھر جائے گی آنکھ اس کی اگر غیر سے تو کچھ
نقصان ترا گردشِ ایام نہ ہوگا
دیوانگیِ شوق کے قربان کہ شبِ وصل
عاید میری جانب کوئی الزام نہ ہوگا

وہ پردہ نشیں ہو تو نہ کر آہ جہاں سوز
اصغر ترا کیا جائے گا گر نام نہ ہوگا

(۱۰)
جلد آکہ عجب حال شبِ غم ہی ہمارا
دم آنکھ میں ہو سو بھی کوئی دم ہی ہمارا
پھر آتشِ الفت دلِ افسردہ میں بھڑکی
پھر جوش پہ اب دیدۂ پرنم ہی ہمارا
کیوں چھوڑ دیں اس شوخ ستم گار کو تا صبح
مرنا تو مسلم کہ مسلم ہی ہمارا
بیجود ہیں شبِ ہجر و شبِ وصل سیہ مست
تغیر نہیں ایک سا عالم ہی ہمارا
تیری نگہِ لطف نہیں زیست ہی اپنی
تیرا سخن تلخ نہیں سم ہی ہمارا
دل کیوں نہ پھنسے کہتے ہیں کس نازسے دیکھو
دل بند خمِ گیسوئے خوش خم ہی ہمارا
ہم مرچکے اور کہتے ہیں سب آنکھوں میں دم ہی
کیا حسرتِ نظارہ کو ماتم ہی ہمارا

اصغر ہمیں کیا کام زمانے میں کسی سے
ہم اور یہ افسوس پہ تم ہی ہمارا

(۱۱)
ہیں جب سے محو ناز کہ نو وز ازل نہ تھا
پہلے ہمارے مرنے سے نام اجل نہ تھا
ربط نیاز و ناز سے ہیں کب نہ تھا دلیل
کب ہیں کی جبہ پر مرے سجدے سے بل نہ تھا

ہر شب ہی حسن روز فستروں سے سیاہ تر
ہو آج وہ قلق مجھے ہمدم جو کل نہ تھا

عیسیٰ کو دیکھ مرگئے یاد آگئے وہ لب
بچ جائے جس سے جان یہ ایسا خلل نہ تھا

کیا ہووے زخم دل کو تسلّی کہ چارہ گر
الماس کیا نمک بھی تو مرہم میں حل نہ تھا

پیہم تھے لطف اپنے سنانے کو غیر پر
غافل ہمارے حال سے وہ ایک پل نہ تھا

سینے میں دل کی جا غم دل پر ہزار شکر
اس سے زیادہ تو کوئی نعم البدل نہ تھا

وجہ دعائے زندگی مختصر نہ پوچھ
طولِ زماں تفرقہ طول امل نہ تھا

ہی جنگ زرگری کا شب وصل شکوہ کیا
بیجا خفا نہ ہو سخن بر محل نہ تھا

شوخی سے تیری طبع کی آیا عدو کے ہاتھ
مضمون وصل ورنہ کبھی مبتذل نہ تھا

قاتل سے دل کو تھام کے کہنا تھا حالِ دل
اصغر زبان گنگ نہ تھی ہاتھ شل نہ تھا

قاتل سے ہی جو شوق سوال و جواب کا
ہی اضطراب آمدِ روزِ حساب کا

ای چرخِ پیر یار سے مجھ کو جُدا نہ کر
ظالم مزا اُٹھانے دے باہم شباب کا

سب یاد ہیں عذابِ شبِ انتظار کے
واعظ مجھے فریب نہ دے تو ثواب کا

شرمندہ اس سے بیخودیِ ہجر نے کیا
غیروں کی ہی زبان پر افسانہ خواب کا

کیا لطف کیا ستم ہر ادا اُس کی خوب ہی
ای غیر انتخاب نہ کر انتخاب کا

پیہم طلب سے جام کے مجھ کو بھی رنج ہی
ساقی بھرا دے خم مرے منہ سے شراب کا

ظاہر ہی حسن یار مرے حالِ زار سے
ذرہ میں جلوہ گر ہی فروغ آفتاب کا

آنسو پیوں تو خوں ہو رواں چشم سے مگر
عالم ہی آبِ اشک میں خنجر کے آب کا

شکر جفا نے کام کیا لطف کا کہ اب
دشمن اُمیدوار ہی اُن کے عتاب کا

قرباں ہوں روزِ وصل تپاں ہوں شبِ فراق
اصغرؔ نہ پوچھ حال مرے اضطراب کا

۱۳

کیا کروں سعی نہیں بخت رسائی کرتا
زنگ جمانہ تھی کیوں ہر زہ درائی کرتا

دل فریبی کو ہے اظہار تمنائے وصال
اب میں کیونکر گلۂ درد جدائی کرتا

ذِکرِ انگشت حنائی نہ نگارین ناخن
آسماں خاک مری عقدہ کشائی کرتا

دیکھتا اپنے ہی خوں سے کفِ جاناں رنگیں
گر کبھی میں ہوسِ دستِ حنائی کرتا

ہوں میں وہ صید کہ رُک رُک کے نکل جاتا دم
کبھی صیاد اگر قصد رہائی کرتا

نازکی سے نہیں اپنی نگہِ گرم کی تاب
کیا ہوسناک کو وہ چشم نمائی کرتا

ستمِ دوست سے ہے آہ فلک رس ورنہ
میں تو وہ تھا کہ عدو سے بھی بھلائی کرتا

سنگ و خارِ رہِ الفت کا نہ کر پاس کوئی
رحم تجھ پر بھی ہے اے آبلہ پائی کرتا

سُن کے فریاد گرفتارِ محبت کی ترے
دام میں مرغِ چمن نغمہ سرائی کرتا

جاں نثاری کے سوا کچھ نہیں آتا اصغرؔ
تھا تو زیبا جو تخلص بھی فدائی کرتا

۱۴

حالِ وحشت لکھا جو اصغرؔ کا
ہوئی زنجیر تارِ مسطر کا

سر ہی اُس در سے ہم رگڑ لیتے
آہ دربان نہ ایک دم سرکا

شبِ ہجراں میں بارے نیند آئی
سُن کے افسانہ روزِ محشر کا

میرے اُٹھنے سے ہاتھ اُٹھا اے حشر
کہ ہوں جان دادہ اُس کی ٹھوکر کا

رو رہا ہوں کہ غیر سے وہ ہنسے
غرقِ طوفاں ہوں آب گوہر کا

گلہ چرخ کو بتاتے ہو کفر
غش ہو واعظ کسی ستمگر کا

تم تو کہتے ہو پھر ملیں گے کبھی
یاں بھروسا نہیں ہو دم بھر کا

مجھ کو گھبرا کے ہو گیا خفقان
حالِ وحشت لکھا جو اصغر کا

۱۵

جوشِ طپش سے مرتے ہی دل کو قرار تھا
اپنا علاجِ دلِ الم اضطرار تھا

ناصح مری خطا نہیں تیری زباں کی طرح
کب اختیار میں دلِ بے اختیار تھا

اسرار میرے عشق کے سب تم نے کہہ دیے
ہوں کیوں نہ منفعل کہ عدو شرمسار تھا

ظالم ہو وقف سینۂ گل خوردہ روزِ ہجر
جو ہاتھ رات بھر تری گردن کا ہار تھا

مجھ کو نکال کر خلش اُس گل کی کم ہوئی
کیا خار جسمِ غیر مرا جسم زار تھا

مرنے کے بعد شکر کہ آیا وہ بدگماں
یاں ہجر میں اجل کا بہت انتظار تھا

ہوتے ہی پائمال ہوئے سربلند ہم
کیا سازگار طالعِ ناسازگار تھا

سمجھے نہ وہ وگرنہ رقیبوں کے سامنے
شکرِ زباں زباں گلہ بار بار تھا

اِس نازکی پہ اُس سے تو ہرگز نہ ٹوٹتا
اصغر وفا کا عہد بھی ناپائدار تھا

۱۶

زبان بند ہوئی پر نہ اُس کا نام لیا
بلا سے جان گئی دل تو ہم نے تھام لیا

یہ نازکی کہ ہوا رنجہ ساعد و بازو
ذرا جو ہاتھ میں دامنِ وقتِ خرام لیا

وہ جیسے دوست سے ملتا تھا مجھ سے ملتے ملے
کبھی نہ آپ نے دشمن سے انتقام لیا

کیا جو ذبح تو صیاد کا گناہ نہیں
وہ صید ہوں کہ نہ دم جس نے زیرِ دام لیا

ملاؤں گا تری گردش کو خاک میں گردوں
کفِ رقیب سے گر اُس صنم نے جام لیا

دیا تو مال زلیخا سے بھی زیادہ ولے
یہ کیا مجال کہ ہم کہ سکیں غلام لیا

ہر ایک زلزلہ میں لاکھ آفتیں آئیں
مرے قلق نے زمیں سے فلک کا کام لیا

نیازِ غیر پہ بھی ناز خاک عجز کروں
میرا اسلام ہی کیوں غیر کا سلام لیا

پڑھ اصغر اور بھی مطلع کوئی کہ بہرِ ثنا
ہی روحِ میر نے زندوں سے نطق وام لیا

جو میں نے وقتِ دعا اُس صنم کا نام لیا
تو چھوڑ عرش ملائک نے دل کو تھام لیا

١٧

دل میں فرطِ شوق سے ارماں سراسر رہ گیا
سر جھکایا میں نے قاتل ہاتھ اُٹھا کر رہ گیا

کہتے ہو جز غیر ہم کو کیا کسی سے کام ہی
کیوں نہ کہوں بے وفا پھر ہم کو کیا ڈر رہ گیا

کھو کے دل اس غم میں ہم کو کیا کسی سے کام ہی
پہلے تھا جس ہاتھ پر دل اب وہ دلبر رہ گیا

خوں ہی جاری آنکھ سے ترکِ وفا کے بعد بھی
چور زخمِ دل میں کچھ میرے مقرر رہ گیا

بخت برگشتہ نہیں پھرتے کسی سے کیا گلہ
آسماں بیچارہ کب گردش سے دم بھر رہ گیا

ہٹ گیا قاتل سمجھ کر مجھ کو کشتہ ہائے ہائے
کیوں تڑپنے سے تہِ خنجر میں مضطر رہ گیا

بارِ غم کچھ مجملاً لکھا تھا میں نے اس پہ بھی
باندھتے ہی نامہ بازو سے کبوتر رہ گیا

سر پٹک کر توڑتے ہیں گھر کو اے اصغر جو آپ
خانۂ دشمن میں کیا مہمان دلبر رہ گیا

١٨

دی غم سے گرچہ جان بھی کچھ غم نہ ہو سکا
ہم سے دلِ شہید کا ماتم نہ ہو سکا

مظروف کو گھٹا نہ سکی ظرف کی کمی
کاہش سے دل کی شوقِ مراکم نہ ہو سکا

ہر دم ہمارے مرنے کا ہی رنج یار کو
دشمن حریفِ رنجشِ ہر دم نہ ہو سکا

کیا کیا کیے نہ پیچ پہ چھپٹ کر کسی طرح
میں پاے بندِ کاکلِ پر خم نہ ہو سکا

غیر اول جفائیں ہوئے بے وفا تمام
کرتے تھے وہ جو یار وفا ہم نہ ہو سکا

عالم کو کیوں نہ بھولتے ہمدم کہ دل سے محو
اُس بے وفا کے حسن کا عالم نہ ہو سکا

لازم ہی پیشِ داغِ جگر دل دہی سپہر
روکش ذرا بھی نیّرِ اعظم نہ ہو سکا

سو بار انقلاب ہوا دہر کو مگر
اک روز روزِ تیرہ مراکم نہ ہو سکا

وہ شوق یاں نہیں ہی کہ آجائے دھیان میں
محرم ہمارے حال سے محرم نہ ہو سکا

گردن قلق سے ہم نے سرِ شام کاٹ لی
کچھ انتظارِ مرگ شبِ غم نہ ہو سکا

کس التجا سے بیٹھ کے محفل سے اُٹھ گیا
اصغر حریفِ رشکِ پری ہم نہ ہو سکا

۱۹

آسماں زیرِ زمیں افغاں سے ڈر کر ہو گیا
بات میں عالم تہ و بالا ستمگر ہو گیا

دامنِ قاتل کے ہاتھ آنے کی شادی کیا کہوں
دیکھ لو میں جامۂ ہستی سے باہر ہو گیا

جاں نکلنی حسرتِ دیدار میں دشوار تھی
مرتے دم اُس بت کے آنے کو میں کافر ہو گیا

آؤ مل جائیں وہی وعدے وفا کے پھر کریں
رنج باہم کیا ہوا بیداد گر گر ہو گیا

صبح کی جائے گی شامِ وصل کیا کہتے ہو تم
موت سے پہلے جزا کا دن مقرر ہو گیا

غیر بیٹھا پاس اور مجھ کو اُٹھایا بزم سے
تھا کسی کا جرم اور ثابت کسی پر ہو گیا

ہم خدا سے چل کے فریادِ شبِ ہجراں کریں
آ کہیں جلدی سے تجھے کیا روزِ محشر ہو گیا

صفحہ صفحہ جزو جزو اور پارہ پارہ ہر ورق
منتخب نسخہ تھا دل افسوس ابتر ہو گیا

جان رو رو کر نہ دی گر دل گیا تو صبر کر
خیر جو قسمت میں تھا نقصان اصغرؔ ہو گیا

عشق میں اک لالہ رو کے خطِ جاناں بڑھ گیا
کیا کوئی پابندِ الفت اے مری جاں بڑھ گیا
ہے دلِ لرزاں مسردہ ضبط آہ و نالہ سے
اشک کی جا آنکھ سے پیہم چلا آتا ہے خوں
مہر حیراں ہے کھڑا کس مہر وش کو دیکھ کر
ہے خوشی سے دم بدم چہرے کی رونق اور کچھ
تھیں خلاف طبع باتیں وحشت افزوں ہو گئیں

۲۰

لو خزاں میں سبزۂ طرفِ گلستاں بڑھ گیا
آج کیوں پیچ و خمِ زلفِ پریشاں بڑھ گیا
اُف نہ کی تو بھی چراغِ زیرِ داماں بڑھ گیا
کاوشِ مژگاں سے کس کی زخمِ پنہاں بڑھ گیا
آج یا رب اس قدر کیوں روزِ ہجراں بڑھ گیا
جس قدر غم سے گھٹا میں حسنِ جاناں بڑھ گیا
ناصحوں کے ہاتھ سے چاکِ گریباں بڑھ گیا

اصغرؔ از بس ہے جہاں میں نئی مضموں کی رسم
جب غزل میں نے کہی کتنوں کا دیوان بڑھ گیا

بارے اغیار کو بھی جلوہ دکھانا چھوڑا
تھی غرض دید نہ اعزاز ہم اس محفل میں
ہم نے چھوڑا انہیں سو بار نزاکت کے سبب
آج پھر غیر سے محفل میں اشارہ ہے آہ
کب ہمیں تھا گزرِ غیر کہ ہوتے رسوا
اُس دلِ آزردہ سے دشنام عدو پر کیا پیچ
تیرے کوچے میں نہ وسواس کھڑے پس گر

۲۱

دیکھ کر در پہ مجھے بام پہ آنا چھوڑا
دور جا بیٹھے اگر پاس بٹھانا چھوڑا
تم نے دامن نہ کبھی ہم سے چھڑانا چھوڑا
کل کہا تھا کہ تجھے ہم نے ستانا چھوڑا
تم نے کس واسطے دل میں مرے آنا چھوڑا
جس نے غصہ میں نہ گردن کا زمانا چھوڑا
یہ ٹھکانے لگی محنت کہ ٹھکانا چھوڑا

ناتوانی سے نہ اُٹھتے ترے در سے لیکن — تھا ستم غیر کے اغوا سے اُٹھانا چھوڑا

کیا نہ ہوگی خبر وصل عدو باعث مرگ
ہم نے جاسوس عبث اصغر دانا چھوڑا

۲۲

اُس بزم تک گزر نہ ہوا جبکہ رو دیا — لو میری چشم تر نے مجھی کو ڈبو دیا
ظالم دیا تو کس بت بے درد کو دیا — اصغر ہزار حیف کہ دل مفت کھو دیا
دل لیجے بوسہ دیجیے تکرار کب تلک — لینا ہو جو وہ لے لیا دینا ہو جو دیا
اُس کی نگاہ تیز تھی یا میری آہ تھی — نشتر سا کچھ تو دل میں کسو نے چبھو دیا
کچھ بھی کیا نہ پاس نزاکت کہ غیر نے — بالے میں تیرے رات گلوں کو پرو دیا
کیا سہل چھوٹے درد و تعب سے کہ چارہ گر — دل تھا بلائے جان سو محبت نے کھو دیا
اُس مہروش کے آگے نہ پایا جو کچھ فروغ — جل جل کے شب کو شمع نے محفل رُو دیا

جاتا ہے نامراد ولے شاد شاد سا
کیا تازہ دم یہ اصغر جانباز کو دیا

۲۳

یاں تو آیا وہ مگر غیر کو لیکر آیا — کیا ہی غصہ مجھے نالے کے اثر پر آیا
دم شماری ہی رہی ہجر میں تا روز شمار — ناتوانی سے نہ دم سینے کے باہر آیا
بہ گیا آب عناصر بھی ہمارا شاید — کہ اب اشکوں کے عوض چشم میں خوں بھر آیا
واے قسمت کہ ہما سایہ فگن ہو سر پر — میں تو کیا شاد ہوا تھا کہ کبوتر آیا
باغ جنت میں بھی یاں جان پہ ہی بنتی رہی — حور کو دیکھتے ہی یاد وہ دلبر آیا

قسمتِ بد کی نہ پوچھو کہ میرے دل کو پسند | اگر آیا تو وہی شوخِ ستمگر آیا

کس کی زلفوں کی تجھے یاد ہے سچ کہہ دینا
مشک کو سونگھ کے تو غش میں جو اصغر آیا

۱۴

پاس شب کو وہ فتنہ گر نہ ہوا | نہ ہوا دل کو چین پر نہ ہوا
شبِ مہتاب ہے نظر میں سیاہ | آج وہ غیرتِ قمر نہ ہوا
نہ کیا اُس نے ذبح حسرت ہے | اُس کے قدموں پہ یوں بھی سر نہ ہوا
بس نہیں ہر طرح اُس کو لانے پر | دل ہی قابو میں عمر بھر نہ ہوا
خشک تر ہو گئے ہوئے تر خشک | پر لبِ خشک میرا تر نہ ہوا
سخت باتیں تری سہیں کب تک | آہ پتھر ہوا جگر نہ ہوا
تھیں جو قسمت میں ٹھوکریں کھائیں | کیوں ترا سنگِ رہ گزر نہ ہوا
یاں تغافل سے بن گئی جاں پر | ہائے وہ بے خبر خبر نہ ہوا
رشکِ دشمن کا حوصلہ دیکھو | میں بھی غش اُن کو دیکھ کر نہ ہوا
کاش کچھ آسماں کو ضد آتی | کیوں دمِ غیر میں اثر نہ ہوا
اک نظر میں ہمارا کام ہوا | اور کچھ آپ کا ضرر نہ ہوا
اسی حسرت میں گھر ہوا برباد | کہ مرا اُس کے دل میں گھر نہ ہوا

شبِ غم تھا چراغ رہ اصغر
کہ حریفِ دمِ سحر نہ ہوا

۲۵

وصلِ شیشہ سے ہوں مست نشہ نہیں شراب کا | مجھ میں بسی ہے بو تری شیشہ نہ کر گلاب کا

جب سے نظر سے تھا زبس جسم تر لطف تر
دل کی بہت تلاش کی پر نہ ملا کہ پوچھتے
رند ہیں ہم کو باک کیا آئے عسس سے پوچھ لیں
ملیے نہ ملیے ہر طرح خوش ہے غلام لیکن آپ
صرف جراحت اس قدر ہم نے کیا کہ عاقبت
ڈر ہے کہ چرخ سن نہ لے کیونکہ بیان کر سکوں

کام کیا نظارہ نے رخ پہ ترے نقاب کا
زلف کا اس کے کیا سبب ہم سے ہے پیچ و تاب کا
بھاؤ ہے کیا شراب کا نرخ ہے کیا کباب کا
کچھ تو سبب بیاں کریں اس قدر اجتناب کا
بھاؤ بگڑ گیا نمک شہر میں عشک ناب کا
دل میں بھرا ہے وہ جو کچھ لطف ترے عتاب کا

لکھ تو چکے ہی ہو چلو چل کے قدم بس اس کے لو
اصغر اب انتظار کیا نامہ کے ہے جواب کا

نہ بیاں کر مرا دل لیکے جو اے جان کیا
شاخ گل خوب نہیں پردہ دری اتنی بھی
حسن نے تیرے زمانے میں دل و آئنہ تک
ہم فقیروں سے خفا کیوں ہو اگر برسوں میں
محتسب توڑ کے خم سیکڑوں دل توڑے آہ
چین سے بیٹھے نہ اک لحظہ برا ہو تیرا

لو نہ رسوا ہو کیا خیر جو نادان کیا
ہاتھ ٹوٹیں ترے کیوں چاک گریبان کیا
تھا اگر نام کو بھی گھر اسے ویران کیا
چلتے پھرتے ادھر آ نکلے جال آن کیا
ہو نہ کافر سے وہ جو تو نے مسلمان کیا
فلک جمعیت یاراں نے پریشان کیا

ہے علاقہ تجھے بے وجہ نہ رو اے اصغر
کوئی دشنام دے کوئی کہے احسان کیا

دل کی جگہ ہو غم دل جنت مقام کا
گو نام مٹ گیا ہو نشاں تو ہے نام کا

جیتا ہوں صبح و شام کے وعدے پہ قتل کے
مہماں ہوں بزم دہر میں اب صبح و شام کا

تصویر یار کے دہن و لب سے شوق میں
گہ شکر بوسہ ہے کبھی شکوہ کلام کا

آتا ہے فتنہ ساتھ ہی جانے کے اس کے حشر
گویا کہ پائمال ہے طرز خرام کا

گردش نے چشم مست کی بیہوش کر دیا
بارے ہوا شریک میں اس دور جام کا

دشنام دے کے مردے کو زندہ تو وہ کریں
اور نام ہو مسیح علیہ السلام کا

اُس کی کمر کا دھیان تصوّر کو وہم ہے
لو پک گیا جنون خیالات خام کا

جب تک جواب تلخ نہ لایا وہاں سے غیر
کیا جانتے تھے ہم یہ مزا ہے پیام کا

ہے جان و دل جواب سو پہلے ہی بھیج دوں
اُس کی بلا کو رنج ہو ہمدم پیام کا

اُس نے جواب خط میں لکھا ہم کو یا نصیب
خط ہم کو آپ لکھیں یہ لکھا کلام کا

آزاد بہر غیر جو کرنا ہو کیجیے
ورنہ گنہ تو کچھ نہیں صاحب غلام کا

درد غم فراق نے بیکار کر دیا
دل میرے کام کا ہے نہ میں دل کے کام کا

اصغر ترا تو وصل ہی بس کام کر چکا
بے فائدہ ہے یار کو قصد انتقام کا

۲۸

میں نے کہا ہے کچھ یہ کسی سے سنا ہے کیا
کس بات پر خفا ہو کہو تو خطا ہے کیا

نے دیکھے خط کو چاک کیا نامہ بر کو قتل
لکھا ہے اب جواب سو دیکھوں لکھا ہے کیا

الفت میں دل گیا تو وہاں داغ ہو گیا
میرا ہی جرم میرے گنہ کی سزا ہے کیا

اے ناز یار آب بقا پی چکے ہیں ہم
بس دیکھ لینگے اب کہ تری انتہا ہے کیا

اُس بن نہیں قرار مجھے کچھ خبر نہیں
سودا ہے عشق ہے یہ جنوں ہے بلا ہے کیا

دن رات دیکھنا تری صورت تری ادا
دنیا کے نیک و بد سے تجھے مدعا ہے کیا

اصغر کو تو نے قتل کیا آج کیا کہیں
مشہور بے وفا یہ سخن سچ ہوا ہی کیا

۲۹
نہ چھوٹے آہ جی کیونکر کہ مجھ سے دل میرا چھوٹا
یہ کیسی آشنائی کی کہ ایسا آشنا چھوٹا

عبث نے ربط باتوں سے پریشاں مجھ کو کرتا ہے
نصیحت گر سمجھ تو دل بھی ہی لگ کے بھلا چھوٹا

دم آیا ناک میں کثرت سے حوران بہشتی کی
پھنسے آفت میں ہم اے مرگ تجھ سے کیا چھوٹا

ہے بس دادسے محروم ہم کمبخت اب یعنی
بڑھی اتنی شب غم بیچ میں وز جزا چھوٹا

رہائی ہم سے خوں کشتوں کی کیا ہے بس فنا ہونا
میں چھوٹا اس کے قدموں سے یہ جوں رنگ حنا چھوٹا

اسیر زلف چھٹنا ہی نہیں کہنے کی باتیں ہیں
ہمارا دل تو ظالم بے شفاعت بارہا چھوٹا

سمجھا بے اثر الفت کو میری گر قیامت تک
تیرے دامن سے قاتل داغ میرے خون کا چھوٹا

کوئی کہتا نہیں اب اس جفا پر بے وفا اس کو
زبان خلق سے ازبس کہ ہی نام وفا چھوٹا

ہوا ہے اور ہی صحبت میں اس کا میٹھنا اٹھنا
کھڑا کیا ہوں میں اس کوے میں دیر بیٹھنا چھوٹا

نہ ہنسنا بولنا پہلا سا نہ سیر و تماشا کچھ
کرے کیا عاشقی اصغر کہ دنیا کا مزا چھوٹا

۳۰
یار بد خو دیکھ اپنی خوش جمالی ہو گیا
ہر مہینا سال کا ماہ جلالی ہو گیا

دیکھیے اب کیا کرے دل سے مرے اس کی نظر
پردہ جو غرفہ کا تھا غرفے کی جالی ہو گیا

دیکھ کر اس رشک محفل کو یہ حیرت چھا گئی
گل جو تھا گلشن میں تصویر نہالی ہو گیا

مے بھی ہے مکروہ ساقی خم مجھے دے گر غلیظ
ہاتھ لگنے سے مرے ظرف سفالی ہو گیا

رات دن فکر جفا میں رنج اٹھا و فائدہ
امتحاں اک بار الفت آزمائی ہو گیا

رہ گئی زخموں کی حسرت دل میں عاشق کے بھری ۔ اور ترکش یار کا تیروں سے خالی ہو گیا

یہ لیا قسمت تیری اور یہ وضع اصغر کیا ہوا
کیوں خرابِ عشقِ شوخِ لاؤ بالی ہو گیا

۳۱

تا سحر ہوش نہ آیا یہ دل اپنا اُلٹا ۔ کیوں شبِ وصل نقابِ رخِ زیبا اُلٹا

(مطلع ثانی)

ہے مقدر ہی ہر ایک شے میں ہمارا اُلٹا ۔ کیوں شبِ وصل نقابِ رخِ زیبا اُلٹا

جو ستم ہے سو وہ اغیار کی خاطر یعنی ۔ اُس نے خنجر مری گردن پہ پھرایا اُلٹا

میں چلا چاؤنگا سب تھا سوئے خم اے ساقی ۔ تو نے دکھلا کے عبث جام میں مینا اُلٹا

لاغرِ عشق ہوں سر زیرِ قدم ضعف سے ہے ۔ اثرِ طالعِ واژوں نے سراپا اُلٹا

کیوں ہوا سے وہ خفا ہوتے ہیں ہم شاید ۔ صبح نالہ جو سوئے چرخ گیا تھا اُلٹا

بوالہوس سے تو ہنسے جا تجھے کیا پروا ہے ۔ روتے روتے دلِ عاشق اگر اُلٹا اُلٹا

جوشِ افغاں نے کیا عشقِ بتاں کو ظاہر ۔ صرصرِ آہ نے کس راز کا پردا اُلٹا

تھی تمنائے شہادت سو نہ نکلی دل سے ۔ میری گردن پہ ہوا خونِ تمنا اُلٹا

دم نہ لے اپنی کشش دل کہ دمِ خونریزی ۔ پھر گیا آکے وہ پھر جانبِ اعدا اُلٹا

نہ ہوا غیر مسخر ہوئے خود تم تسخیر ۔ جادوئے چشم فسوں ساز نے کیسا اُلٹا

پھر گیا غیر سے شاید دلِ یار اے اصغر
پھر گیا آکے جو لب پر مرے نالہ اُلٹا

۳۲

دل نشیں میرا استانا ہو گیا ۔ امتحاں بھی ایک بہانا ہو گیا

جلد مرنا تھا مقدم عشق میں — حیلہ اُس کا دیر آنا ہوگیا
دل چلا آگے خدنگِ آہ سے — ناوک افگن خود نشانا ہوگیا
اُٹھ گئی دُنیا سے برکت غم کی آہ — نحس اپنا دل لگانا ہوگیا
شوخ کہکر اُس کو نادم ہوں کہ اور — بے محابے کو بہانا ہوگیا
ہم ہوئے ویران اور اغیار کا — یار کے دل میں ٹھکانا ہوگیا
دوستی گو اُس کو مجھ سے کچھ نہیں — دشمن اس پر بھی زمانا ہوگیا
کیا دگرگون عشق سے دو دن میں آہ — گھر کا سارا کارخانا ہوگیا
اُس نے جھانکا روزنِ در سے مجھے — سو وہی آنکھیں دکھانا ہوگیا
کیا کنہ اس شمع رو کا ہیوں پتنگ — یہاں سرشت اپنا جلانا ہوگیا
سب ازل میں تیرے دیوانے تھے پر — اک مقرر قید خانا ہوگیا

کھل گیا عشق اُس پہ اصغر پردہ در
شوق شعر عاشقانہ ہوگیا

۲۳

تن میں زبس کہ عشق بھرا دم نکل گیا — کس کا ہوا معالجہ کس کا خلل گیا
کھٹکے ہی دل میں خیش سا ہے شبہ سینے میں — دل سے ہمارے یار کا پیکاں نکل گیا
لٹکا ہی پیچ اُس کا یہ دامن ترا نہیں — محشر جو تیری چال سے بگڑی بدل گیا
طوفانِ اشک و خونِ جگر لختِ دل غرض — الفت میں اپنی آنکھ سے کیا کیا نکل گیا
آئے وہ سجدہ شکر کا ہر گام پر کیا — جتنے قدم چلے تھے وہ میں سر کے بل گیا
اُلٹا نقاب شرم سے خورشید چھپ چلا — دن وصل کا شروع سحر حیف ڈھل گیا
لکھوایا غیر سے مرے خط کا جواب آہ — کیا جانے کیا قلم مری قسمت پہ چل گیا

ہوں سرد مہریوں سے تری داغِ شعلہ خو ۔۔۔ بندھی ہے آہ سرد کے اور دل ہی جل گیا
میرے پیام بر کی حقیقت تو پوچھا آ ۔۔۔ ہمدم جو اس طرف ہو کوئی آج کل گیا
لاش اُس نے بعد قتل اٹھا دی رقیب کو ۔۔۔ ہم کو ملا کے خاک میں ذوقِ اجل گیا
ہے دل میں درد روز و شب و صبح و شام آہ ۔۔۔ الفت اگر یہی ہے تو جی آج کل گیا

اصغر نے توبہ شاہد و مے سے سنا ہے کی
تھا ایک ہی خراب یہ کیونکر سنبھل گیا

۳۴
پروانہ ساں نہ دل ہی تپِ غم سے جل گیا ۔۔۔ جوں شمع سوزِ اشک سے تن بھی پگھل گیا
بے رحم اس قدر بھی جفا کیا غضب ہوا ۔۔۔ گر میرے منہ سے نام وفا کا نکل گیا
اپنی تو جبہ سائی سے پیشانی ہے فگار ۔۔۔ اُس کی جبینِ ناز سے لیکن نہ بل گیا
اپنے غبار دل میں دیا بعدِ یاس قتل ۔۔۔ میں ساتھ لیکے گور میں ذوقِ اجل گیا
ایک دم اثر سے ناقۂ لیلےٰ تھمے محال ۔۔۔ اُلفت کہاں دماغ ہی مجنوں کا چل گیا
وحشت تھی گھر میں جب تھے وطن سے بھی تنگ تھے ۔۔۔ غربت سے خوش ہیں وحشت میں جی تو بہل گیا

فرہاد و قیس و امق و اصغر کہاں رہے
وہ لوگ اُٹھ گئے وہ زمانہ بدل گیا

۳۵
شک ہے تو کیوں خموش تو شیریں دہن ہوا ۔۔۔ ہاں ہم سا تلخ کام کہاں کوہکن ہوا
اپنے مسافروں سے خفا ہو تو خوش ہو ۔۔۔ رخصت شتاب بس یہ غریب الوطن ہوا
ہم، دونوں دوستی میں ایک آفت نئی اٹھی ۔۔۔ دشمن فقط نہ جان کا چرخِ کہن ہوا

مطلب کی بات منھ سے نہ نکلی ہمارے ایک
سو بار اپنے لطف سے وہ ہم سخن ہوا

روز ازل سے موت تھی عاشق کی زندگی
جاں پر ہمارے جامۂ ہستی کفن ہوا

ہر ملک کی ہی رسم جداگانہ واعظا
کعبہ میں شیخ دیر میں گر برہمن ہوا

ای لالہ دیکھ ضبط نہ پھیلے شمیم یار
شق گو زیادہ تجھ سے ہمارا بدن ہوا

می میں نہا رہا ہوں مجھے چھوڑ محتسب
آلودہ ورنہ دیکھ ترا پیرہن ہوا

مرتا ہی مفت ہجر میں امید وصل پر
اصغر یہ عشق بھی ترا دیوانہ پن ہوا

٣٦

ای دل یہ کس بلا میں گرفتار کردیا
ہو کر عزیز تو نے مجھے خوار کردیا

آیا مہ صیام تو ہم نے چھپا کے می
مسجد کا حجرہ خانۂ خمار کردیا

الزام بے وفائی کا مجھ پر سہی ولے
کرنے دو عذر بھی جو گنہگار کردیا

اب دیکھنا جفا بھی جو ذکر رقیب پر
اس بے وفا سے عشق کا اظہار کردیا

ای جاں معاف رکھو گر اب جاں فدا کروں
دل نے تمھارے اٹھتے ہی ناچار کردیا

ہی قہر جذب شوق مری جلد لے خبر
آگاہ میں نے پھر تجھے ای یار کردیا

سرتاپا ہوں دیدۂ وا بہر شوق دید
تو نے تو مجھ کو حسرت دیدار کردیا

اعجاز و سحر و جادو ہی و دلبری صنم
یہ سب خدا نے تجھ پہ سزاوار کردیا

سر زیر پا ہی ضعف سے تو بھی نہاں ہی راز
کج فہم کیا سمجھ کے مجھے زار کردیا

خلوت ہی کس سے رات کہ دروازہ کر کے بند
دربان کو کھڑا پس دیوار کردیا

غفلت شعار ہی وہ گل اصغر اب آگے یار
تو جانے تیرا کام خبردار کردیا

۳۷

کیا نہ آئے گا نظر ضعف سے چرچا نہ ہوا
اتنا رسوا میں ہوا جتنا کہ رسوا نہ ہوا

ہنس کے کہتا ہے شب وصل تو واللہ کہ مگر
یہ سما چاندنی کا کیوں لب دریا نہ ہوا

گر بری ہوتی ہے دشنام تو مجھ کو دیجے
ہے سزاوار مجھے جو تمہیں زیبا نہ ہوا

حسن اور عشق کی مت پوچھ ترقی کل تک
ایک سخن بیش نہ تھا آج جو افسانہ ہوا

بس کہ اسرار محبت کے تھے مضموں خط میں
کونسا پیر کبوتر تھا کہ عنقا نہ ہوا

کر دیا تم نے تو غیروں کی برابر مجھ کو
مجھ سے کیا کہتے ہو مجھ سا کوئی پیدا نہ ہوا

صبر و آرام گیا رنج و غم آیا لیکن
درد دل عشق میں اک لحظہ کو بھی وا نہ ہوا

کیجے چارۂ دل لیک یہ وعدہ کیجے
کہ برا تجھ سے نہ مانیں گے گر اچھا نہ ہوا

کس برے حال میں آیا ہے وہاں سے اصغر
جب گیا ہی تھا میں کہتا تھا کہ اچھا نہ ہوا

۳۸

شب اس نے اپنے دل کا جو حال الغرض کہا
مت پوچھ کیا سنا کیے ہم اور کیا کہا

انساں ہوں آخر اے صنم اتنا خفا نہ ہو
کیا ڈر جو دل کے دکھنے سے ہے ہے خدا کہا

ترک کلام کا ہے گو کرتا وہ بے سبب
میں نے ہی اس کو شوق میں کیا جانے کیا کہا

کہتی ہے خلق عاشق زار آپ کا مجھے
مجھ سے عبث کشیدہ ہوئے جو سنا کہا

کیا دل پہ بس نہ تھا تو زباں پر بھی بس نہ تھا
احوال دل کے آنے کا کیوں اس سے جا کہا

اس نے دیا جواب نہ کس کے سوال کا
پر چپ رہا وہ میں نے ہی جب مدعا کہا

شوخی تو دیکھ اس نے کہا بے وفا مجھے
سب کچھ جو قصۂ دل رشک آشنا کہا

اے دوست دشمنوں کی شکایت بھلی نہ تھی
اچھا کیا اگر مجھے تو نے برا کہا

شفقت کہ پیام مرگ سناتے ہیں یوں وہ پاس سے
اصغر عدو نے آج مجھے جاں فزا کہا

کیا، یہ تیغ نگاہِ یار کیا — کہ مری جان کو فگار کیا
عاشقوں میں گنا رقیبوں کو — تو نے مجھے کس لیے شمار کیا
اپنا بدخواہ ہیں وہ ہوں کہ مجھے — اُس نے اس دشمنی پہ پیار کیا
دِل ہمارا نہ سونپیے غم کو — بس تمھارا ہی اعتبار کیا
بندھی اُمید یاس کو کیا کیا — جبکہ مجھ کو امیدوار کیا
چرخ سے بدشعار پر اب آہ — رازِ دل تو نے آشکار کیا
ہو مبارک غرورِ حسن تمھیں — کہ یہاں عجز اختیار کیا
وہ نہایت رہا عزیز مجھے — ہے نہایت اگرچہ خوار کیا

لبِ جاں بخش یار پر اصغر
کیا ضرر جاں کو گر نثار کیا

۲۹

حاصل شبِ فراق جلانا چراغ کا — کر لیجیو شمار مرے دل کے داغ کا
کیا گل کھلائے دیکھیے اب موسمِ بہار — سنتے ہیں اُن کا قصد ہے گلگشت باغ کا
ساقی اُٹھا دے مجھ سے بلانوش کو ہنوز — کرتا ہے انتظار عبث تو ایاغ کا
سودائے عشق کا نہیں ممکن کہ ہو علاج — ای چارہ گر علاج کر اپنے دماغ کا
کیا نامہ و پیام کہ ویرانے میں مرے — ہُدہُد کا آشیانہ کہیں ہے نہ زاغ کا
تاراج ملکِ جان کو نہ کر اے سپاہِ غم — کلفت سے پھر بگاڑ ہے دل کے فراغ کا
رکھے نہ ننگ و نام سے کام آپ کا خراب — لیوے نہ نام آپ کا قیدی فراغ کا

اصغر جو دل میں یار کا گھر ہے تو بس ہمیں
جاسوس کا خطر ہے نہ غم ہے سراغ کا

(ب)

گھر اُس کا میری جنت عشق اُس کا میرا مذہب
کیا کفر سے ڈر واعظ اسلام سے کیا مطلب

کیا آئے وہ وعدے پہ غماز سکھاتے ہیں
تم کاہے کو جاتے ہو وہ آپ ہیں آیا کب

رکھیو میرا سر دائم قدموں میں اسی بت کے
مشرک کا اگر سجدہ مقبول نہیں یا رب

کیا کہوں ترے آگے گذری جو ترے پیچھے
ہر رات میں یہاں آئی سو بار قیامت شب

ہر بار جواب تلخ ہم تند مزاجوں کو
اتنی بھی ترش روئی اچھی نہیں شیریں لب

دشنام دو یا بوسہ زندہ کرو یا مردہ
جو کہیے وہی اولیٰ جو کیجیے وہی انسب

زلفوں کو بلا کہہ کر رویا میں تو وہ بولے
لپٹی ہے ترے پیچھے ان کی یہ بلا بے ڈھب

ٹھہرا نہ وہ یہاں عذر بیتابی دشمن سے
دل دیکھیں تری وحشت تو کبھی نہ ٹھہرا اب

یوں وصف جناں واعظ جلتا ہوں دروغ اتنا
آئے ہیں پشیماں ہم اس کو میں گئے ہیں جب

کہتے ہو نہیں سنتے قصہ ترا ہم اصغر
خاموش رہے ہم تو سنتا جو کہیں گے سب

(ت)

حق پوچھو تو زیبا ہے مقدر کی شکایت
بے فائدہ کب تک دل و دلبر کی شکایت

وہ دل میں گیا سونچ غم دل کو ہمارے
صد شکر کہ گھر ہی میں رہی گھر کی شکایت

بس اک ہوس شکوہ کہ آئے وہ دم صبح
ایک دم میں ادا کب ہوئی شب بھر کی شکایت

تیزی سے نہ دی فرصت نظارہ دم ذبح
شکوہ نہیں قاتل کا ہے خنجر کی شکایت

منظور رضا اُس کی ہے گو محض جفا ہو
یہاں شکر ستم ہے نہ ستمگر کی شکایت

قابو میں نہ تھا دل جو کیا شکوہ تو کیا رنج
بیجا ہے تمہیں عاشق مضطر کی شکایت

دشمن کو تو ہی کہنے پہ غیرت نے نہ چاہا
مجبور نہ کی چرخ بد اختر کی شکایت

تربت سے اُٹھا جان کے آہٹ ترے پا کی
ہو کیوں نہ مجھے فتنۂ محشر کی شکایت

انصاف بھی ہے شرط بھلا غور تو کرو
زیبا ہے تمھیں غیر سے اصغر کی شکایت

مجھ کو اے ناصح نہ کر [illegible] کوئے دوست
دیکھ تو دشمن تلک ہے ملتجی خوانِ کوئے دوست

کیا کہوں واں پھونکیں لاشیں قاصدوں کی جابجا
نامہ بر پوچھے جو خط لیکر نشانِ کوئے دوست

جلوۂ جاناں سے جو رونق ہے اے ہمدم نہ پوچھ
کوئے دشمن پر ہوا مجھ کو گمانِ کوئے دوست

رشک کے ہاتھوں نہ پایا بعد مرنے کے بھی چین
خلد میں حوروں کو سمجھا ساکنانِ کوئے دوست

کیوں لیے جاتے ہیں وارث لاش مرتو ریت میں
کر چکا ہوں ہڈیاں وقفِ سگانِ کوئے دوست

چارہ سازو اب کرو تدبیر وہ جس سے ملے
میرے مدفن کو زمینِ جانستانِ کوئے دوست

خاک اُڑائی ہے یہ کس دیوانۂ بیباک نے
ہے صبا میں نکہتِ عنبر فشانِ کوئے دوست

پھر کبھی فارغ نہ ہو گلگشتِ جنت سے عدو
میں اگر ہو جاؤں یک دم پاسبانِ کوئے دوست

خاک میں ملنا میرا اغیار پر کھلتا نہیں
ہم نفس گویا میں ہوں رازِ نہانِ کوئے دوست

وہ قیامت قد نہ آئے جب تلک وزجیرا
سر اُٹھاتے ہیں کوئی اُفتادگانِ کوئے دوست

ذکرِ قتلِ مدعی تھا مر گیا میں رشک سے
نیند آئی سن کے رنگینِ داستانِ کوئے دوست

صدمۂ رشکِ عدو ظاہر ہے حالِ زار سے
بے نشاں ہوں پر بتاتا ہوں نشانِ کوئے دوست

واعظوں نے توبہ کی مدحِ ریاضِ خلد سے
کیجیے گا کب تلک اصغر بیانِ کوئے دوست

دن بھر مرے گھر رہتے ہیں وہ غیر کے گھر رات
ہر روز میں جیتا ہوں تو مرتا ہوں میں ہر رات

کچھ روزِ جدائی کی سیاہی کو نہ پوچھو
سمجھا ہوں سحر میں نظر آئی ہے اگر رات

ہی رنگ سیہ دل کا تلف آہ سے میری — گویا کہ ہی رہتی مرے گھر آٹھ پہر رات
مانگے ہی دل و جان رخ و زلف غضب ہی — دشمن مری جان کی ہی ادھر صبح ادھر رات
تھا خواب میں ایک مہرلقا کا جو نظارہ — کم تار شعاعی سے نہ تھا تار نظر رات
مرجائیے سو بار جو ہجراں میں یقیں ہو — ہم جان سے گزریں گے تو جائے گی گزر رات
صد شکر کہ دیکھی شب تاریک عدو نے — مہمان رہا گھر مرے وہ رشک قمر رات
کیا طول شب زلف کو نسبت مری شب سے — تشبیہ یہ دو دن ہیں جو ہو میری بھی بسر رات
وعدہ جو کیا اس نے کہ آؤنگا سحر کو — سمجھا ہی کہ بن میرے نہ ہووے گی سحر رات
تشریف یہاں لائے وہ حیران ہوں کہ یارب — آیا میرے نالوں میں کہاں سے یہ اثر رات
ہی روز جزا جاگ اٹھا طالع خفتہ — باقی ہی ترے زعم میں ہجراں کی مگر رات

کس درد سے روتا تھا شب ہجر میں اصغر
ہر آہ سے پھٹتا تھا ہمارا تو جگر رات

۴۴

واہ تو اور تیری جفا کیا بات — میں تو کیا پر میری وفا کیا بات
قہر ہی دلبری کو ایک سے ایک — غمزہ کیا پوچھنا ادا کیا بات
کچھ وہ دل سے سوا عزیز نہ تھا — عشق میں سر گیا گیا کیا بات
ہوش وہاں جائے بن نہیں آتا — سچ ہی سمجھوں میں ناصحا کیا بات
قابل شکوہ ہوں میں سچ لیکن — شکوہ اغیار سے میرا کیا بات
جس پہ سرگوشیاں تھیں غیروں سے — تھی وہ بے رحم سچ بتا کیا بات

صبر کس طرح ہو سکے اصغر
ہائے اس شوخ میں ہی کیا کیا بات

مدعی سے نبھی تمہاری بات
کیا کرے بندہ ہے خدا کی بات

ہے دعا میں اثر بہت لیکن
میری دشوار ہے سمجھنی بات

اُس کے دشنام سے موئی نہ اُٹھی
ضعف سے اس قدر سبک تھی بات

کیا خبر تھی وہ آئیں گے پسِ مرگ
ورنہ دشوار کیا تھی اتنی بات

دل ٹھہرتا نہیں مرا شاید
وصلِ دشمن کی آج ٹھہری بات

کان بھرتے ہیں مدعی شب و روز
سچ ہے کیونکر سُنے وہ میری بات

دل ہے آئینہ تن بھی آئینہ
کیا چھپے اس کے دل میں کوئی بات

اثرِ اشک ہے بے اثر دیکھو
میرا رونا ہوا ہنسی کی بات

یار کے در سے ہم نہ اٹھتے پر
ہم سے اغیار کی نہ اُٹھی بات

تھا گلہ اپنے بخت کا ظالم
تیری رنجیدگی کی کیا تھی بات

یار و اغیار کی جو سُنتے ہیں
اصغر الفت کی ہے یہ ساری بات

(ردیف ث)

۴۵

اُس بُتِ عیار کے گھر غیر جاتے ہیں عبث
میرے دل میں گھر ہے اُس کا وہم آتے ہیں عبث

چاہتا ہوں اس کا آنا ہے غلط پر چارہ گر
میری تسکیں کے لیے باتیں بناتے ہیں عبث

ناتوانی ہے جنوں میں کم نہیں زنجیرِ پا
چارہ فرما بیڑیاں مجھ کو پنھاتے ہیں عبث

امتحانِ غیر لے سکتا ہوں میں بھی گر کہو
آپ اپنے واسطے ایذا اُٹھاتے ہیں عبث

دل چُرانا ہو گیا دزدیدہ نظروں سے عیاں
مجھ سے اب وہ بزم میں آنکھیں چراتے ہیں عبث

نے دماغِ سیرِ جنت نے تپِ دوزخ کی تاب
شورِ نفخِ صور کے مجھ کو جگاتے ہیں عبث

زلف کو کس نے کہا کالی بلا سے کم نہیں
آپ نا اُلجھے ہیں عبث قصہ بڑھاتے ہیں عبث

جامہ چاکی کا سبب یاں کوئی جز دشمن نہیں / آسماں کی دھجیاں نالے اُڑاتے ہیں عبث

دیکھ کینہ مدعی کا اور ناخوش ہوں گے وہ / چاک کر سینہ ہم اُس کو دل دکھاتے ہیں عبث

کشتۂ طرزِ خرامِ یار کیونکر جی اُٹھے / وہ ہماری لاش کو ٹھوکر لگاتے ہیں عبث

وہ تو اصغر مجھ سے ہرگز بات بھی کرتا نہیں
لوگ اپنے دل سے کیا باتیں بناتے ہیں عبث

کہیں کیا زندگیِ ہجر کا اے بے وفا باعث / اُمیدِ مرگ ہم کو ہوگئی تھی زیست کا باعث

تجلی دلربا انداز دلکش ہر ادا دلبر / بتاؤں دل کے آجانے کا اس پر کیا باعث

جفا کی اُس نے پھر امتحانِ لافِ وفا پر گر / مری خواری کا میرا ہی "تکبر" ہو گیا باعث

اُدھر وہ مستعدِ خونریزی اِدھر میں قتل پر راضی / اجل آتی نہیں اس پر بھی یہاں کیا جانے کیا باعث

گئے دم دے کے وہ گھر غیر کے یاں بن گئی جاں پر / غلط سنتے تھے ہم عیسیٰ کے دم کو زیست کا باعث

کسی سے آشنائی کی نہ تجھ سے بے وفائی کی / عبث بیگانگی کا آخر ہے نا آشنا باعث

اثر دل کی کشش میں نے کشش تاثیرِ الفت میں / وہ شب آئے اور آئے آپ سے کوئی نہ تھا باعث

وفا سے اُس کی نفرت ہے تجھے طرزِ ستم بھائے / جفا کی ہے وفا باعث وفا کی ہے جفا باعث

جو شکوہ ہے تو اُس مہ کا جو رنجش ہے تو دشمن کی
جفائے چرخ کا دونوں میں اصغر کونسا باعث

ردیف ج

کچھ کرونگا میں اشکباری آج / ہے کہاں ابرِ نو بہاری آج

بے وفا غیر کو ہے لاف وفا
کیا ہوئی وہ جفا شعاری آج

شکوۂ ہجر پہ شہید کیا
ہو گئی زندگی ہماری آج

عید ہے پر وہ کیا گلے سے ملے
ہے بلا شوق ہمکناری آج

یاد کاکل عدو نے جان ہوئی
ہے عجب حال ہم پہ طاری آج

کہتے ہو کل ہے روز وصل عدو
کھل گئی مہرو وشی تمہاری آج

بارجو اسی فراق کی مت پوچھ
مرگ ہے اُن سے بھی پیاری آج

چشم نازک پہ سرمہ بار ہوا
رات اصغرؔ ہے مجھ پہ بھاری آج

ردیف حا

فریاد جور کی نہیں روز جزا اصلاح
خجلت ہے انجمن میں یار کو اصغرؔ وہ کیا اصلاح

تدبیر اپنے قتل کی میں جانتا ہوں خوب
دشمن سے پوچھتا ہے عبث بے وفا اصلاح

آئے برائے دفع ندامت وہ لاش پر
فکر وصال میں میرا مرنا ہوا اصلاح

تجھ کو جفا پسند ہے مجھ کو وفا پسند
تیری جدا اصلاح ہے میری جدا اصلاح

ابتک نہ آئے وہ کوئی اُٹھتی ہے میری نعش
کرنے ہیں جانذ اُٹھانے کی کیوں آذیا اصلاح

کہتا وہ گو یاری سے پہ کہتا تو یار سے
دشمن سے راز دل کا چھپانا نہ تھا اصلاح

افسوس ہے کہ میری طرف کی ہوا نہیں
دشمن سے کر رہے ہیں وہ کیا جانئے کیا اصلاح

آخر نہ ہو کبھی شب غم کا یہ قصد ہے
اے روز حشر تو بھی تو اپنی بتا اصلاح

آزردہ دیکھ یار کو دم ہی نکل گیا
اغوائے غیر حق میں مری یہ ہو کیا اصلاح

فتنے سے ہے گمان تلافی نہ معذرت
شکوہ نہیں کبھی ستم چرخ کا اصلاح

دل میں گزر ہو اُس کے کسی راہ سے غلط
صحرا میں ہم نے خضر سے کی بارہا اصلاح

اُس کے دہانِ تنگ کے بوسے نصیب ہوں	ای عقل نکتہ رس کوئی ایسی بتا صلاح
کچھ میرے قتل کرنے میں بدنامیاں نہیں	لیوے کسی سے اس میں تمھاری بلا صلاح

خود جانتا ہوں عشق میں کیا کیا فساد ہیں
اصغر کسی سے اس میں ہو کیا پوچھنا صلاح

(ردیف د)

	٤٩	
کھینچ کر تیغ آگیا جلّاد		مجرمانِ وفا مبارکباد
ارمغاں ہم کو دو جہاں سے ملا		جان پر معصیت دلِ ناشاد
گر کے اس طرح سے نہ ملنا تھا		ابتدا سے بگڑ گئی اُفتاد
شہر کو کر رہیں گے دیوانہ		یہ بُری خصلتاں آدم زاد
لایق بندگی رقیب ہی تو		کیجے صاحب غلام کو آزاد
شحنہ و شاہ و آسماں کس کے		تو ہی کر ظلم تو ہی کر فریاد
یاس و درد و غم آپ سے دل میں		گھر یہ اُجڑا تو ہو گیا آباد
پہلے خسرو کے کھودتے گھر کو		ای شکر لب جو ہوتے ہم فرہاد
مقبرہ محتسب کا بنتا ہی	٥٠	ہی بہت جمع سنگ و خشت نہاد
سخت بدعت ہی اور خلاف شرع		مے کشو کیونکہ ہونے دیں ایجاد
دہر میں جی بیت ہو کوئی مسجد		ڈال دیں میکدہ کی بس بنیاد

دم دیا اُن سے پاک دامن کو
بن کے اصغر نے صاحبِ سجّاد

	٥٠	
ہو شرم سے دیدۂ قمر بند		کھولے وہ نقاب کے اگر بند

وہ باتیں، کہ معجزہ ہے سحر
آنکھیں وہ کہ سامری نظربند

اول ساقی مرا گلا گھونٹ
من بعد وہاں شیشہ گر بند

کہہ کس کا خیال ہے کہ دن رات
بیدار ہوں پر ہے چشم تر بند

تو بوالہوس اور دعوئ عشق
رکھ اپنی زبان بے خبر بند

دل کھول کے ہنس بولیے واہ
کیجے نہ یہ بات بات پر بند

شاید اس گل نے زلف وا کی
ہے یوں جو صبا دم سحر بند

گو اس نے کسی طرف نہ دیکھا
تو بھی لاکھوں ہوئے نظربند

تھوڑا ہی سا اپنا قصہ اصغر
دفتر دفتر ہے بند در بند

(ردیف ذ)

تلخی مرگ کیونکہ نہ ہو شام غم لذیذ
ہے شہد لطف سے بھی تمہارا ستم لذیذ

مضمون شوق نامہ ہے کیسا قلم لذیذ
میرا سخن نہیں لب جاناں سے کم لذیذ

وہ شوخ بات بات میں کہتا ہے بار بار
کیونکر کہوں نہیں مری جاں کی قسم لذیذ

کب غیر تلخ کام نے پایا ہے یہ مزا
ہے شہد لطف سے شکر لب صنم لذیذ

گھر جانے کی عبث تمہیں جلدی ہے سو رہو
ہوتا ہے خواب ناز بہت صبحدم لذیذ

کیونکر غرے سے عشق میں اس کے نہ جان دوں
رنجش لذیذ جور لذیذ و ستم لذیذ

مضمون بوسہائے شکر لب نے کر دیا
رگہا ہے نے شکر سے بھی نال قلم لذیذ

شوق شکار اس بت بدمست کو ہوا
ہے کچھ نہ پوچھ کباب غزال حرم لذیذ

دشمن کو خوئے یار کا غم مجھ کو وصل کا
ہے بارے رنج غیر سے میرا الم لذیذ

آتا ہے ان کو اس میں مزا شاد ہوں کہ ہے
دشمن کا وصل میری جدائی سے کم لذیذ

گلا ہے سگانِ رقیب سے کہ گر سگِ یار کا / ہیں کیسی کیسی وصل میں باتیں بہم لذیذ

تو جرعۂ خمار کی تلخی نہ پوچھیے / ہر چند کچھ ہو صافِ مئے جامِ جم لذیذ

اصغر ہے گرچہ زہر ہلاہل سے تلخ تر
لیکن ہے پھر بھی بادۂ عشقِ صنم لذیذ

ردیف ر

ہے یہ ادا دشمنِ جاں دیکھ بھال کر / دیتا ہوں دل تجھے مرے دل کو خیال کر

رکھتا ہوں دم تصورِ عیشِ وصال کر / کن حسرتوں سے مرتے ہیں حسرت نکال کر

احوال کچھ نہ پوچھ دمِ جاں خراش کا / کرتا ہوں بات بھی تو کلیجہ سنبھال کر

باقی ہے کس قدر مجھے دیوانگی میں ہوش / کرتا ہوں چاکِ جیب تو ناصح کو ٹال کر

سو بار جان دوں میں ولیکن نہ دوں جواب / یہ بات سہل ہے کوئی مشکل سوال کر

کیا سنج شوقِ وصل میں جو کچھ ہوا ہوا / قصّہ مرنے کا لطف ہی ہے انفصال کر

گویا کہ کوئی بوالہوس وجہِ وفا نہیں / جو تم ستاتے ہو مجھے غیروں پہ ڈھال کر

کچھ بھی مزا ملے تو گوارا ہوں تلخیاں / دی تو شراب گرچہ وہ دی زہر ڈال کر

اے ناشگفتہ دل تو نہ پژمردہ ہو ابھی / یک چند انتظارِ نسیمِ شمال کر

کیا جانے پھر تلافیِ دشمن میں کیا کرے / کیونکر کہوں تدارکِ رنج و ملال کر

لے مجھ سے انتقام خشیبی رقیب / رہ رہ کے لیکن اپنی تو آنکھیں نہ لال کر

کیا زور اُن پہ ٹھہرے اگر صلح غیر سے / اے چرخ تو تہیۂ جنگ و جدال کر

ہے بس کہ راہِ عشق میں آزار دل نشیں / دل میں چبھو سے پاؤں سے کانٹے نکال کر

جی میں ہی نام غیر کا لے دوں وہ کہتے ہیں
کس نے کہا تھا تجھ سے کہ اظہار حال کر

ظالم ہی ذرّہ ذرّہ میں دریا سے خوں نہاں
مشتِ غبار کو نہ میرے پائمال کر

اصغر اگر نہ روزِ جزا سے وہ بُت ڈرے
تو ہی خیال داورِ ذوالجلال کر

بارے حسرت چلے نہ ہم سے لیکر
سر دیا یار کے قدم لیکر

وہ ہی رونا ہی اب کہ روزِ ازل
خوش ہوا تھا میں چشمِ نم لیکر

ای عدو کون ہو اسیر بلا
ہاتھ میں زلف خم بہ خم لیکر

کچھ بھی دل کی نہ کی خریداری
تو نے ای مایۂ ستم لیکر

آئے کیوں میرے گھر رقیب کو تم
پی افزایش الم لیکر

کیوں نہ دم ضعف سے رکے جب سانس
آئے دم لیکے جائے دم لیکر

اُس نے عہدِ وفا کیا باطل
نام دشمن دمِ قسم لیکر

نرہا روزِ خوش زمانے میں
آئے تھے ہم عجب قدم لیکر

کس کو اصغر دماغ دردکشی
کیا کرونگا میں جام جم لیکر

اب کیوں الم ہو غیر کو دل شاد دیکھ کر
آنکھیں لڑائی تھیں ستم ایجاد دیکھ کر

کیا رہ گیا ہی صورتِ تصویر دیکھنا
صورت ترے مریض کی بہزاد دیکھ کر

آنکھوں میں دم ہی تو بھی تو پھرتی نہیں نگاہ
یہ گونہ گو نہ لذتِ بیداد دیکھ کر

بے رحم انتقامِ ستم لوں پہ کیا کروں
آتا ہے رحم چرخ کی بنیاد دیکھ کر

یاں لاغری سے بار ہے فکرِ ہلاک بھی
سر پھوڑیں کیوں نہ طاقتِ فرہاد دیکھ کر

آوارگی سے مر کے بھی نالاں ہوں میں کہ وہ
روتے ہیں میری خاک کو برباد دیکھ کر

رشکِ ستم تو دیکھ کہ لب پر نفس ہے سرد
دشمن کو گرمِ نالہ و فریاد دیکھ کر

یہ ذوقِ قتل ہے کہ اگر مر بھی جاؤں میں
آجائے جان صورتِ جلاد دیکھ کر

تسخیرِ بت کو پڑھتے ہی افسوں یقیں ہوا
اصغر کا شغلِ سبحہ و اوراد دیکھ کر

تھا اک دم نہ جولانی سے اس مضطر کی مدفن پر
ہراساں یہ پڑا تھا زیست میں کیا تیرے توسن پر

کوئی چھٹتا تھا ہم سے ربطِ قاتل قتل سے دشمن
نہیں گر پاس اس کے ہم نہ ہوں خوں تو ہے گردن پر

اثر دیکھو ذرا نالوں کا ہم برگشتہ بختوں کے
کہ اس سنگ دل کو رحم آیا حالِ دشمن پر

شہادت مدعا تھی یاں سو یوں بھی ہوگئی حاصل
عدو کو اس نے مارا مر گئے ہم طرزِ کشتن پر

نہ پوچھو شب کی تاریکی عزیزو بس یہی سن لو
حسد ہے زلفِ جاناں کو ہمارے روزِ روشن پر

وفورِ گریہ سے ہے چشم کی طوفان پر چشمک
دلِ سوزاں کے باعث طعنہ زن ہے سینہ گلخن پر

ہمارے مرتے دم ذکرِ بتانِ از جہاں رفتہ
مرے کیا خاک تا انصاف کوئی تجھ سے بدظن پر

نکلتے ہو عبث تم نے کسی کو آج جھانکا ہے
برستی ہے قیامت شوخ چشمی در کے روزن پر

رفوئے زخمِ دل کے غم نے مجھ کو مار ڈالا ہے
نہیں جرم اس کے خنجر کا کہ میرا خون سوزن پر

کیا کیوں تمام غم گھبرا کے سینہ چاک اے **اصغر**
تجھے تھا ہاتھ دوڑانا شبِ فرقت کے دامن پر

ازبس مرے تھے ہم قدِ دلبر کو دیکھ کر
پھر شور ہے درصفِ محشر کو دیکھ کر

راہِ وفا میں ضعف نے آخر رلا دیا
آنکھیں بھر آئیں زیرِ قدم سر کو دیکھ کر

نظروں میں پھر گیا رخِ گلرنگ یار کا
پژمردہ ہو گیا میں گلِ تر کو دیکھ کر

جنت میں بھی دیا نہ مجھے یادِ غم نے چین
گریاں ہوں خشکیِ لبِ کوثر کو دیکھ کر

اے مرگ اب نہ چھیڑ کہ روتے ہیں زار زار
وہ میری حالتِ متغیّر کو دیکھ کر

آزردہ یار گمانِ الفت سے وہ ہوا
میں رو پڑا تھا چرخِ ستمگر کو دیکھ کر

ہنستے ہیں غیر رونے پہ کیونکر نہ روئیں ہم
بے آبروئی مژۂ تر کو دیکھ کر

اب بھی نہ نکلی حسرتِ نظارہ دل سے آہ
دم ہی نکل گیا ترے خنجر کو دیکھ کر

قسمت نے زندگی کو بھی یاں خون کر دیا
اصغر ہوں جاں بلب لبِ احمر کو دیکھ کر

بدچلن سب خلق ہے اس کی خوش خرامی دیکھ کر
چرخ چکر میں ہے یہ بے انتظامی دیکھ کر

تھا خیالِ جنگ اب اپنا گلا کاٹیں گے آپ
دم نہیں باقی تمھیں دشمن کا حامی دیکھ کر

ہو گئے مغرور شاہا سرکشی اس سے کریں
غیر نامہ میں مرے خدّامِ سامی دیکھ کر

لے لیا بس بوسہ تھا ہر چند ڈر تعزیر کا
یہ مزا آیا تری شیریں کلامی دیکھ کر

ہم کو یوں آزاد دشمن کے لیے کرنا نہ تھا
صاحبی کرتے مگر خطِ غلامی دیکھ کر

اس مہِ کامل سے کچھ نسبت نہ تھی شامِ فراق
مر گئے ہم ماہِ نو کی ناتمامی دیکھ کر

ہم سمجھتے ہیں عدو سے گرمجوشی کا سبب
ہے جلانا مدعا الفت کی خامی دیکھ کر

وہم سے مرتا ہوں سمجھاتا ہے مجھ کو بار بار
جب سے آیا ہے اسے میرا پیامی دیکھ کر

نزع تک جس نے نہ پوچھا نعش پر آئے تو آئے
دیکھیو **اصغر** ذرا جانِ گرامی دیکھ کر

دریا نے اشک اپنا چڑھا آسمان پر
ہے جوش زن زمیں سے بلا آسمان پر

گو خاک میں ملا ہیں کدورت سے یار کی
پر ہے وہی دماغ میرا آسمان پر

نالوں نے میرے عرش معلیٰ ہلا دیا
لو آسمان ٹوٹ پڑا آسمان پر

تاثیر نے یہاں نہ وہاں اضطراب میں
سو بار میں زمیں سے گیا آسمان پر

مضمون ہاتھ آتے ہیں پابوس یار کے
جب پہنچتی ہے فکر رسا آسمان پر

کیا بوالہوس کو نالۂ جاں سوز کی خبر
روشن یہ حال مجھ پہ ہے یا آسمان پر

دم ناک میں ہے اسفل و اعلیٰ سے دہر کے
پڑیو زمیں پہ خاک بلا آسمان پر

دی جان ضبط آہ سے دیکھ اُس کو سرنگوں
اصغر کو رحم آ ہی گیا آسمان پر

دل لیکے کہتے ہو نہ رہوں جاں لیے بغیر
ہاں لیجئے کیا نہ گذرے گی میری جیے بغیر

ہے شرم انفعال لب جاں فزائے یار
فرقت میں بھی مجھے نہیں بنتی جیے بغیر

پیچھا نہ کر طلب نہ کریں اقربا دیت
قاتل نہ چھوڑیو مرے ٹکڑے کیے بغیر

سینہ ہو دل ہو عید ہو بس توڑنے سے کام
پیتے نہیں شراب وہ توبہ کیے بغیر

یوں جم رہا ہے خون جگر سے میرے کہ بس
گویا رفو ہوا ہے یہ جامہ سیے بغیر

اصغر غرور دلبری ایسے کو کیوں نہ ہو
لیوے نہ جو بوالہوس سے بھی دل کو دیے بغیر

حشر صدقے ہے قد بالا پر
فتنہ قرباں ہے جنبش پا پر

تیرے ہوتے نظر پڑے کس کی
حور و غلمان و خلد و طوبے پر

کون مجنوں کہے نہ قیس کو پھر
تجھ کو ترجیح دے جو لیلےٰ پر

پارہ کرنے ہیں تیرے کشتوں کے
دیکھیں اب کیا بنے مسیحا پر

آئے طوفاں ابھی اگر پہونچے
میری کشتی کنارِ دریا پر

دل وہ شیشہ ہی کر دے دو ٹکڑے
گر پڑے گرچہ سنگ خارا پر

گرچہ ہی تنگ پر خرابی میں
فوق ہی میرے گھر کو صحرا پر

جنت بار پر بری بنائیں گے
مر کے ہم اُس کے روئے زیبا پر

دخت رز راز دار ہی کس کی
مہر ہی جو وہاں مینا پر

یار کو رحم آ گیا شب وصل
میری حسرت بھری تمنا پر

اب خرابی میں آ گیا اصغر
کہ دل آیا ہی ایک خود آرا پر

ردیف ز

تیری گفتار کہہ تو ما چو ناز
سحر ہی یا کرشمہ یا اعجاز

نہ چھپی نا موافقت اُس کی
طبع رہنے لگی مری ناساز

محتسب چل کہ حکم یار سے نیر
پھر در میکدہ کرے تو باز

ابتو آنکھوں سے اُس کی لب دیکھی
جاہ یارب سُنا یہ تو آواز

ہی ستم گر ستم کو تر سے پھر
مجھ سا بندہ ہو تجھ سا بندہ نواز

گر کہیں گو صہ مختصر میرا
ای ستمگار تیری عمر دراز

پوچھے تو میرے شعر کے معنی
کب کھلا بوالہوس پہ عشق کا راز

حیف یہ انتہا محبت کی
آہ اصغر وہ عشق کا آغاز

دست ستم نے پنجہ مروڑا نہیں ہنوز
ٹھکرا کے مجھ کو یار نے چھوڑا نہیں ہنوز

اے ذوق چاک سینہ نہ توڑا اس طرح سے آہ
ہاتھوں کو اس کے سامنے جوڑا نہیں ہنوز

للہ دے مجھی کو کہ دگنا ملے ثواب
خم محتسب یہ ایک کہ توڑا نہیں ہنوز

کیا جانے خون کاہے سے آتا ہے چشم میں
پھوٹا ہمارے دل کا تو پھوڑا نہیں ہنوز

سو بار دھار تیغ کے منہ پر سے مڑ گئی
منہ ہم نے ذوق قتل سے موڑا نہیں ہنوز

شیریں دہن بہت سخن تلخ بس نہ کہہ
سن رکھ کہ سم جہاں میں تھوڑا نہیں ہنوز

تاثیر کی ہو عشق نے گو جا چکا ہے سر
دامن سے اس نے خون نچوڑا نہیں ہنوز

بدعہد تو نے چھوڑ دیا مجھ کو کب سے پر
آ دیکھ تیرے عشق نے چھوڑا نہیں ہنوز

ای اصغر اتنے سنگ کیئے سر رگڑ کے خاک
اس سنگ دل کی راہ میں روڑا نہیں ہنوز

ردیف ڑ

بگڑا ہوا ہوں سستی تدبیر تو نہ چھیڑ
مجھ کو بگاڑ کر میری تقدیر تو نہ چھیڑ

نہ بات کہنے کی ہے نہ سننے کی بے وفا
بس ہم سے قصۂ دل دلگیر تو نہ چھیڑ

اٹھتا نہیں خیال میں بھی خامۂ ضعف سے
مجھ ناتواں کو حسرت تحریر تو نہ چھیڑ

بے رحم کہہ کے چھیڑے مبادا تجھے رقیب
حالت مری اگر ہوئی تغییر تو نہ چھیڑ

مطرب صدائے ساز ہے ہجراں میں نفخ صور
بس بس ہمارے آگے مزامیر تو نہ چھیڑ

یاں تھا لحاظ نازکی گوش یار کا
نالہ کو میرے خجلت تاثیر تو نہ چھیڑ

دم میں قیامت آئے گی گر میں نے آہ کی
اس نوجوان کو فلک پیر تو نہ چھیڑ

گر چھیڑنا ہے مجھ کو تو چھیڑ اور طرح سے
پر چھیڑنے کو غیر کی تقریر تو نہ چھیڑ

کیونکر پھنسے نہ دل کہ وہ کس کس ادا کے ساتھ
سکھتے ہیں میری زلف گرہ گیر کو نہ چھیڑ

ڈر ہی کہ اُٹھ نہ جائے وہ عیسی نفس کہیں
ای مرگ اور بھی سے مجھے کچھ دیر تو نہ چھیڑ

یاں ڈھونڈھتے ہیں بات اُلجھنے کے واسطے
ناصح ہمارے پاؤں کی زنجیر تو نہ چھیڑ

اصغر سے گیر و دار نہیں خوب محتسب
خود رفتہ ہی یہ رندِ قدح گیر تو نہ چھیڑ

ردیف س

مارے ڈالے ہی ہم کو غم افسوس
مرتے ہیں غم کے مارے ہم افسوس

شاکر ہیں اور تیرا ستم صد شکر
بوالہوس اور تیرا کرم افسوس

غیر کے گھر سے وہ ادھر نہ پھرا
نہ پھرا طالع دژم افسوس

ہو مزا پر ہی رنج رشکِ رقیب
وصل میں بھی ہوا نہ کم افسوس

نہ کیا اُس نے صید ہائے غزال
کھاتے ہیں آہوے حرم افسوس

ہائے طوفان گریۂ فرہاد
عیش خسرو پہ صد حشم افسوس

نہ تو ڈوبا نہ جل گیا گردوں
حیف ای آہ و چشم نم افسوس

گو ہیں رنج زیست ہی شاید
مجھ پہ کرتا ہی وہ صنم افسوس

کچھ دم نزع اوس کو لکھنا تھا
نہ اُٹھا ہاتھ میں قلم افسوس

دل سے تھا مجھ پہ حالِ خلق عیاں
تو نے توڑا یہ جامِ جم افسوس

بس بس **اصغر** نہ آہ کر شبِ وصل
بھول کم بخت ایک دم افسوس

ردیف ط

تم بھولے ہم کو جبکہ ہوا بوالہوس سے ربط
سمجھو تو ہم میں تم میں ہی کئی برس سے ربط

کس منہ سے شکوہ سنجی اغیار کیجیے
فریاد میں اثر ہی نہ فریاد رس سے ربط

گویا کسی کے وزدیِ بوسہ کا ہی خیال
کچھ ان دنوں میں اُن کو ہوا ہی عسس سے ربط

کہتا ہی تو مرے تو مصیبت سے چھوٹ جائیں
اُس بے وفا کو ہو نہ کہیں ہم نفس سے ربط

جاتا رہا تمھاری طرف سے تو کیا گلہ
گویا نہیں ہی ہم سے تو کچھ اپنے بس کے ربط

اُس شعلہ رو کو ربط ہی یوں مجھ سے جس طرح
بجلی کو آشیاں کے مرے خار و خس سے ربط

آوارگی سے مونس و ہمدم نہیں کوئی
ای کاش ہو نصیب میں بانگ جرس سے ربط

صیاد کے ہو دل میں گر اتنی ہی آرزو
صحن چمن سے کام نہ کنج قفس سے ربط

مر جائیے تو فکر گریباں سے چھوٹیے
دستِ جنوں کو کاش ہو تارِ نفس سے ربط

اصغر ہیں آزمائی ہوئی دل فریبیاں
میں جانتا ہوں یار کا اہلِ ہوس سے ربط

ہر شب وہ جلوہ گر ہی مرے گھر بسانِ شمع
اچھا ہی بوالہوس کو رہے گر گمانِ شمع

ہووے مقابل اُن کے کہاں اتنی جانِ شمع
پروانہ ہی کی آنکھ میں کچھ ہو گی شانِ شمع

ہاں جاں گدازیاں طپش دل کی اور ہیں
نظروں سے گر پڑا مری سوز عیانِ شمع

کہتا ہی حال سوزِ دل اُس بت سے ای خدا
دے ایک دن کے واسطے مجھ کو زبانِ شمع

پروانے گرد شمع کے جلتے ہیں گر تو کیا
جلتی ہی تیرے عشق میں ای جانِ جانِ شمع

اُس مہروش کے جلوے سے ہی روز و شب فروغ
ای شمع ساز اب تو بھلا رکھ دکانِ شمع

تسکیں سے ہو زیادہ طپش اہلِ سوز کی
تھوڑا سا پانی ڈال کے سن تو فغانِ شمع

کیا کیا نہ شب کو گرمیِ محفل تھی صبحدم
پروانہ کا اثر ہی کہیں نی نشانِ شمع

آتی ہی اس کے ذکر سے اُس شمع قد کی یاد
ہمدم شبِ فراق نہ کر تو بیانِ شمع

ہو اُن کی قدر مجھ کو کہ پروانے کے سوا
ناصح نہیں جہاں میں کوئی قدر دانِ شمع

پروانے خاک ہوگئے بس جل کے رشک سے
کیا کرکری ہوئی ہے ترے آگے شانِ شمع

جاتا ہوں بزمِ یار سے پر رشکِ غیر سے
پروانہ وار مضطر و گریاں بسانِ شمع

اصغر دھواں نکلتا ہے بجھنے کے بعد بھی
چھپتا ہے کب چھپائے سے سوزِ نہانِ شمع

عیشِ مرگِ عدو ہزار دریغ
کہ وہ کہتے ہیں بار بار دریغ

ناتوانی وہ دشت گردی حیف
پا فگاری وہ نوکِ خار دریغ

دلِ پر داغ غم سے خاک ہوا
جل گیا کیا ہی لالہ زار دریغ

مدعی گو عزیز تھے لیکن
یوں نہ کرتا تھا ہم کو خوار دریغ

روؤں کیا گردشِ زمانہ کو
پھر گئی مجھ سے چشمِ یار دریغ

توبہ کرتے ہی میری قسمت سے
آگھرا ابرِ نوبہار دریغ

کھانے پینے کی ہے قسم تجھ بن
جیتے ہیں کر کے زہر مار دریغ

آج کہتے ہیں مر گیا اصغر
تھا ہمارا بھی دوست دار دریغ

جتنے عاشق ہیں عام ایک طرف
آپ کا یہ غلام ایک طرف

صبر کو تک مرا گزار نہیں
بارِ دربارِ عام - ایک طرف

شوق کا بھی ہجوم آفت ہے
پاس کا اژدہام ایک طرف

کس نے جھانکا ابھی کہ چمکی تھی ۔ برق سی سوئے بام ایک طرف
اوک کرتا ہوں خُم اُٹھا ساقی ۔ رکھ صراحی و جام ایک طرف
سحر و اعجاز و لعل و در یکسو ۔ وہ لب اور وہ کلام ایک طرف
اُن سا مہوش نہیں زمانے میں ۔ ہند اور روم و شام ایک طرف
ہم سے واقف بھی وہ نہیں اب تک ۔ رسم راہ و پیام ایک طرف
دل کے ٹکڑے ہی ڈھونڈھتا ہوں ابھی ۔ زخم کا التیام ایک طرف

اصغر اُس کو ہیں اک بہانہ سے
پڑے رہنا مدام ایک طرف

صدمۂ رشک اُٹھانا موقوف ۔ کوچۂ یار میں جانا موقوف
پردہ الفت جو پردہ ہو جائے ۔ کیجیے مونھ کا چھپانا موقوف
کچھ نہیں زہر تو کھانا ہوگا ۔ کیا کہیں بن تیرے کھانا موقوف
دل جلوں کی بھی ہو کیا زیست کہ شمع ۔ نہ جیے گر ہو جلانا موقوف
ہارے دل نہ پھرے گا ناصح ۔ اب تو کر سر کا پھرانا موقوف
ایسا بیٹھا ہیں کہ محفل سے کیا ۔ اُس نے مجبور اُٹھانا موقوف
سر پٹک کر میں گرا دوں دیوار ۔ گر کرے بام پہ آنا موقوف
بوالہوس اور بھی جاتا ہے کہیں ۔ نہ کرو میرا بُلانا موقوف

ناتوانی ہے یہی تو اصغر
فکر جاناں میں بھی جانا موقوف

جب تیر پھینکتے ہیں وہ نخچیر کی طرف
نخچیر آپ دوڑتے ہیں تیر کی طرف

یہ جلوہ چھوڑ دیکھے ہو اے بے وفا رقیب
مہتاب کے تغیرِ تنویر کی طرف

بے دیدہ غیر و لذت تقریر تا کجا
دیکھ اب مری بھی حسرتِ تقصیر کی طرف

ظالم تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا
دیکھا نہ میری بشتی تقدیر کی طرف

دیکھے ہی ہنس کے جب آئے دشمن وہ نوجواں
دیکھیں ہیں رو کے ہم فلکِ پیر کی طرف

دیکھ اپنی آبرو کو تو اے محتسب نہ آ
خود رفتہ ہم سے رندِ قدح گیر کی طرف

اب رشک روز و نالۂ شب ہیں وہ دن کہاں
رغبت تھی جو شراب و مزامیر کی طرف

ہو ایک تنگ دل وہ ستمگار دل نہ دے
اصغر نہ جا لطافتِ تقریر کی طرف

نہیں کس کو تیری گلی کا شوق
خاک میں مل گیا کسی کا شوق

واہ لذت مری محبت کی
ہو گیا اُن کو عاشقی کا شوق

تم بھی حیراں ہو اپنی صورت دیکھ
ورنہ کیوں ہے یہ آرسی کا شوق

ہجر میں موت کیوں نہیں آتی
کہ نہیں ہم کو زندگی کا شوق

جب کہا غیر کو نہ دینا دل
لگے کہنے ہمارے جی کا شوق

نہ نبھا مفلسی میں **اصغر** سے
تھا بہت ورنہ مے کشی کا شوق

محروم رہیں کیوں تری تقریر کے مشتاق
یہ بھی تو گنہ ہے کہ ہیں تشہیر کے مشتاق

نفرت سے ہی وہ صید فگن مجھ سے گریزاں
لو بھاگے ہیں نخچیر سے نخچیر کے مشتاق

وحشت ہی کسی زلف کے سودے میں یہ ناصح
دیوانہ نہ ہو ہم نہیں زنجیر کے مشتاق

تصویر تری دیکھ کے حیراں ہوئے اتنے
تصویر بنے ہیں تری تصویر کے مشتاق

ہیں جنّ و ملک تجھ پہ فدا کیونکر اثر ہو
مرتے ہیں فسوں گر تری تصویر کے مشتاق

ذی قید سے اندیشہ نہ زنجیر سے بھاگیں
ہیں کون بلا زلفِ گرہ گیر کے مشتاق

وہ ذبح کرے کاش کہ لیں پاؤں کا بوسہ
تقصیر سے ہم پہلے ہیں تعزیر کے مشتاق

وہ شکوہ شبِ وصل اُتارا یہ ستم دیکھ
تھے ہم شبِ غم مہر کی تنویر کے مشتاق

خود موجدِ صد معنیٔ جاں بخش ہیں **اصغر**
ہم ہونے لگے کیوں سخنِ میر کے مشتاق

مشکل ہی تیرے ناز سے بچنا ستم تلک
غیروں کی زیست بھی ہی ہمارے ہی دم تلک

کس کا لحاظ جس کو خدا کا ہی ڈر نہ ہو
دل کیا کہ توڑ ڈالتے ہیں وہ قسم تلک

اُمید کیا رہے ہمیں اُن سے کہ اب اُنھیں
کیا کرم دریغ ہی جور و ستم تلک

صورت کہاں بجز اثرِ دل وصال کی
گذری ہیں خوشی کی توقع تو غم تلک

غش بھی ہوئے بھی شبِ غم ہزار بار
لیکن کسی طرح سے نہ آئے وہ ہم تلک

اُس حرفِ تلخ کا سا کسی میں اثر نہ تھا
ہجراں میں کھا کے دیکھ لیا ہم نے سم تلک

سینے میں تھی زبس تری الفت بھری ہوئی
لختِ جگر نہ آئے کبھی چشمِ نم تلک

شوق جواب نامہ نے مارا کہ آپ ہم
قاصد کے ڈھونڈنے کو چلے ہیں عدم تلک

کیا شوق تھا کہ بوسے پہ دل اُس نے لے لیا
راضی تھے ورنہ ہم تو کچھ اس سے بھی کم تلک

اصغر نہیں ہی کچھ تری تیغِ زباں سے دور
تسخیر ہو جو ہند سے ملکِ عجم تلک

شعلۂ غم سے جل کے ہوگئے خاک
آشیاں کے جو تھے خس و خاشاک

اب فغانِ فلک شکار سے گئے
صید جاں بہر زینتِ فتراک

ہو مسرے ذوق چاک کے ہاتھوں
بخیہ میری طرح گریباں چاک

مژدہ ای ترک جان و رسوائی
حسن ہی شوخ عشق ہی بیباک

مر گئے سُن جواب تلخ اُس نے
زہر بھیجا وہی ہوا تریاک

تابِ شادی ہی اب نہ طاقتِ رنج
وصل خاشاک ہجر صد خاشاک

تم اُٹھے بر سے ہم جہاں سے اُٹھے
ناتواں ہیں پہ تم سے ہیں چالاک

محتسب ہاتھ مت لگانا دیکھ
ہو نہ جائے کہیں سبو ناپاک

دل کے جلنے کو آہ کیا کوسوں
ہوئی میری تو جان جل کر خاک

خوشِ ستم سے ہوں اور بن جائیں
ای خدا میرے نالوں سے افلاک

خلد میں جان لیتی ہی اصغر
دم بدم یاد کوچۂ سفاک

وہ چلے قتلِ عدو کے لیے تلوار سنبھال
ای فلک تو بھی مری آہ کا ایک وار سنبھال

دم نہیں تلخئ ہجراں سے ذرا بھی ہی ہی
نہ ہر گرتا ہی مرے ہاتھ سے غمخوار سنبھال

حالتِ غش میں عیادت کو وہ آئے تو کیا
آپ کو اور ذرا ای دلِ بیمار سنبھال

نہ ڈر لاؤ کہ خرابی ہی جہاں کی کیا ذکر
سیل گریہ کو مرے نے در و دیوار سنبھال

ہجر میں جینے سے نادم ہوں قسم ہی تجھ کو
بات بگڑی مری ای مرگ تو اک بار سنبھال

ہیں تڑپتا ہوں گرے پر نہ اب لو دمِ قتل
اپنے دل کو مرے بار لے بھی تو ای یار سنبھال

اپنے پامال جفا کو بھی اُٹھا خاک سے یار
اپنا دامن ہی نہ ہر دم دمِ رفتار سنبھال

ہم سمجھتے ہیں کہ اُس بت نے نکالا تجھ کو
سبحۂ ناحق تو نہ ای اصغرِ مکار سنبھال

نہیں منظور اُسے جلوہ دکھانا شبِ وصل
طعنۂ تابِ تحمل ہو بہانا شبِ وصل

صبح تک بند قبا کھولے رہوں منت سے
مجھ کو جینے دے جو حسرت کا زمانا شبِ وصل

دھیان آجائے رلانے کا مرے اُس کو مبادا
دیکھ ای شمع تو آنسو نہ بہانا شبِ وصل

جان کر بوسہ کا ایما وہ نہ ہو شادیٔ مرگ
غیر کم فہم کو تم منہ نہ لگانا شبِ وصل

ہیں جدائی سے بتنگ آہ سے تو بس ای چرخ
عوضِ روزِ جدائی بھی بڑھانا شبِ وصل

چاندنی مار گئی اُس دل مجروح کو جب
یاد آیا ترا چھاتی پہ لٹانا شبِ وصل

فتنۂ روزِ قیامت ابھی برپا ہو گا
ہجر کا نام زباں پہ تو نہ لانا شبِ وصل

سُنتے ہی نامِ سحر اس سے موے ہم شاید
ڈھونڈتی تھی اجل اپنا یہ بہانا شبِ وصل

آمدِ مرگ سے کیا شاد ہو جی روزِ فراق
یاد آتا ہے ترا ناز سے آنا شبِ وصل

بے حجابانہ ملے مجھ سے یہ رونے سے وہ
شرم سے صبح کو اب منہ نہ دکھانا شبِ وصل

لاکھ ہو شوق مگر پاس نزاکت سے ضرور
اس گل اندام کو اصغر نہ ستانا شبِ وصل

روزِ ہنگامہ ہے پر وصل دل آرام سے کام
جان جائے کہ رہے اپنے ہمیں کام سے کام

روزِ ہجراں کو نہ شام اور نہ شبِ غم کو سحر
ای منجم ہمیں کیا گردشِ ایام سے کام

تلخیٔ ترکِ ہوس اہلِ ہوس کو ہو نصیب
ہو گیا اپنا تو بس لذتِ دشنام سے کام

کاش پھنس جاؤں کسی اور بلا میں یارب
نہ پڑے پر مجھے اُس زلفِ سیہ فام سے کام

کونسا عشق میں ناکام رہا پر ناصح
سچ ہو یا جھوٹ ہو تجھ کو مرے الزام سے کام

ہم ہیں اور لب پہ گلہ حسرتِ ناکامی کا
لبِ ساقی سے غرض ہو نہ لبِ جام سے کام

خلوتِ یار میں دشمن کی رسائی افسوس
نہ رہا جلوہ گری ہائے لبِ بام سے کام

روز و شب خاک پہ بے ہوش پڑا رہتا ہوں
کہ پڑا ہے مجھے **اصغر** بتِ خودکام سے کام

بات کیا ہے یہ کہیں جس کے لیے یار سے ہم
کاٹ لیں اپنا گلا آپ ہی تلوار سے ہم

حال کچھ پوچھیں گے جی میں ہے کہ اک دم کے لیے
مانگ لیں اپنا دل اُس طرۂ طرار سے ہم

سچ ہے یہ بات کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے
دیکھو بیمار ہوئے نرگسِ بیمار سے ہم

بے وفا نکلے تو تم سے بھی محبت معلوم
زندگی سے ہیں اسی واسطے بیزار سے ہم

لاغری یہ ہے کہ مشکل سے نظر آتے ہیں
چشمِ دشمن میں کھٹکتے ہیں مگر خار سے ہم

کیا غضب ہے شک عدو ہے کہ اُسے دیکھتے ہیں
باغِ جنت کو چلے کوچۂ دلدار سے ہم

اپنے رونے پہ ہنسے دیکھ کے جب غیر کو تم
دیکھ کر سوئے فلک رہ گئے ناچار سے ہم

کوئی کرتا ہے ملامت کوئی کرتا ہے کرم
کوچۂ یار میں بیٹھے ہیں گنہگار سے ہم

دیکھ پاسِ اثر و سادہ دلی کو بے رحم
تم دعا وصل کی دو کہتے ہیں اغیار سے ہم

طلبِ وصل میں بس بس نہ ہو بے تاب **اصغر**
موت بکتی ہے کہ لے دیں تجھے بازار سے ہم

پسِ مرگ نالاں ہیں شیون سے ہم
ہوئے بے مزہ ذوقِ مردن سے ہم

زنار ہیں محبت ہے اغیار کی
نہ شرمائیں کیوں تیرے چتون سے ہم

وہ ضد سے ہوئے گرمِ قتلِ عدو ۔۔۔ جلے آتشِ عرضِ کشتن سے ہم
زمیں سے اُٹھا شوق سے تو کہ ہیں ۔۔۔ سبک تر کہیں تیری چلون سے ہم
یہ غم تھا کہ کیونکر ہوں اُس کوچہ میں دفن ۔۔۔ ملے خاک میں مل کے مدفن سے ہم
بنے دشمنِ جاں خیالاتِ قتل ۔۔۔ جدا سر کو کرتے ہیں گردن سے ہم
غضب کین اعدا سے ہیں قہر ہے ۔۔۔ کریں دوستی کیونکہ دشمن سے ہم
بنے قیس بازیچہ میں بارہا ۔۔۔ جنوں کے ہیں خوگر لڑکپن سے ہم

ایضاً

راحت میں ابھی پستیٔ طالع سے نہیں ہم ۔۔۔ تڑپے تو گئے اور فزوں زیرِ زمیں ہم
ہو ہیر ہو کیا خاک کہ تم کہتے ہو ہر دم ۔۔۔ ہیں زہرہ ادا زہرہ لقا زہرہ جبیں ہم
گر اب بھی جفا میں ہو تغافل تو ستم ہے ۔۔۔ مانا کہ عنایت کے سزاوار نہیں ہم
اے دستِ جنوں خاک اُڑا لیک سمجھ کر ۔۔۔ دم اور رُکے گا جو دبے زیرِ زمیں ہم
میخانہ کا تھا قصد ہوئے وارِدِ مسجد ۔۔۔ جانا تھا کہیں مستی میں آ نکلے کہیں ہم
تھا خوف انھیں کس کا جو بے مہر نہ ہوتے ۔۔۔ ناحق فلک و غیر سے ہیں بر سرِ کیں ہم
آتا ہے مزا جور میں گو رشک سے جی جائے ۔۔۔ مانع نگہِ ناز کو سرمہ سے نہیں ہم
آوارہ پھرے سے بھی تو ہوتے ہیں ذلیل آہ ۔۔۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ چل بیٹھیں وہیں ہم
اُمید نے مرنے نہ دیا عشق میں ورنہ ۔۔۔ کیا کیا تری بیداد پہ کرتے تھے یقیں ہم

بیٹھے ہیں سرِ رہ نکل اُس بزم سے اصغر
تھے صدر نشیں پر ہوئے اب خاک نشیں ہم

آشفتہ ہیں نہ زلفِ جاناں ہم ۔۔۔ کیوں پریشاں ہیں کیوں ہیں حیراں ہم

کاش پوچھیں وہ کیوں کہا تم نے
کہ وفا کر کے ہیں پشیماں ہم

عشق اب سر کے بل پھرائے گا
آہ قیدی ہیں پا بجولاں ہم

شب وعدے کی صبح نے لوٹے
کر رہے تھے جو دل میں ساماں ہم

عشق کی انتہا اک آفت ہے
ابتدا میں عبث تھے شاداں ہم

لاغری کی ہیں منتیں کہ رہے
آسماں کی نظر سے پنہاں ہم

جلد وہ زلف اب دکھا یارب
بس بہت رہ چکے پریشاں ہم

جب تلک تو سیئے مرا دامن
پھاڑیں ناصح ترا گریباں ہم

نازِ جاناں نصیبِ دشمن حیف
جا نکر تجھے جفا سے نالاں ہم

یہی ارماں رہا دمِ مردن
کہ چلے ساتھ لے کے ارماں ہم

گر یہی شوق ہے تو اے **اصغر**
کھو رہیں گے دل و سر و جاں ہم

وہ مژہ وہ رُخ وہ ابروے سراپا نور چشم
چشم بد دور آپ وہ کرتا ہے کیا مذکور چشم

خاکِ پا اُس کی مری آنکھوں میں ڈال اے چارہ گر
گر رُکے رسنے سے پانی بند ہو ناسورِ چشم

نیش سی آنکھوں میں کھٹکے ہے نظر بے سرے وقت
آنکھ میں پتلی نہیں گویا کہ ہے زنبورِ چشم

بزم کی ترتیب دی ہم نے پئے تفریحِ طبع
پر ہوا غم دیکھ کر ساغر کہ تھے مخمورِ چشم

اُن نگاہوں پر ہیں مائل سیکڑوں جادو نگاہ
سحرِ بابل جن سے ہو مسحور ہیں مسحورِ چشم

بے مددِ لختِ جگر کے اب پلک ہلتے نہیں
ایک زمانہ تھا وہ جو نظّارہ تھا دستورِ چشم

اصغر بیمار کا عیسےٰ! سمجھ کر کر علاج
اس کی رنجوری ہی صحت ہے کہ ہے رنجورِ چشم

کچھ یاس سے خفا ہیں نہ خوش آرزو سے ہم
شاداں نہ ہم سے کوی نہ محزوں کسو سے ہم

اس نے کہا ہے جو وہ تو کہ سبے دھڑک ندیم
آخر سمجھ چکے ہیں تیری گفتگو سے ہم

دل کا معاملہ ہے برا دیکھیں کیا بنے
چتون کو اُس کی دیکھ کے ڈرتے ہیں خو سے ہم

ہو جن کی جن سے لاگ ملیں سب خدا کرے
خنجر کو تیرے دور رکھیں کیوں گلو سے ہم

پہلی سی مے کشی کا تو مقدور ہے کہاں
پر شکر اب بھی کم نہیں پینے سبو سے ہم

قسمت سے ہاتھ آے وہ گل یا نہ ہاتھ آے
پر یوں صبا نہ باز رہیں جستجو سے ہم

شرم آئی روز داد کہ سمجھے نہ دادخواہ
قاتل کے اپنے ہٹ گئے بس روبرو سے ہم

تم بھی تو قصۂ غمِ اُلفت سنو کبھی
رنگین کرتے ہیں اسے دل کے لہو سے ہم

اے جہان یہ تو سچ کہ بھلے ہم نہیں ہیں کچھ
لیکن نہ اس قدر کہ بُرے ہوں عدو سے ہم

دونوں ہیں اک عذاب میں غارت ہو کاش دل
عاجز فگار کرنے سے وہ اور رفو سے ہم

عقبیٰ کی کیا اُمید کہ یاس اپنی دیکھ کر
منکر ہیں **اصغر** آیۂ لاتقنطوا سے ہم

جاتے نہ کوئے یار میں یوں زینہار ہم
اس شوق کا بُرا ہو کہ ہوتے ہیں خوار ہم

صیاد نے کیا ہے خزاں میں رہا دریغ
لائیں کہاں سے اب تجھے فصلِ بہار ہم

یہ جانتے گر آہ تو بنواتے کاہے کو
اُس کوے میں اپنے جیتے جی اپنا مزار ہم

کب میری مشتِ خاک کا باقی نشاں رہا
اتنا کہ تیرے دل پہ ہوں ظالم غبار ہم

مایوس ہی ہلاک کیا تو نے بس مجھے
بے دید دیکھ تھے بہت اُمیدوار ہم

خواہش وصال بت کی چلے ساتھ لیک حیف
امیدوار بخشش آمرزگار ہم

واعظ کے آگے توڑیں گے ساقی نہ وہم کر
ہیں جمعہ کی نماز تلک روزہ دار ہم

شک ہے پر تو پہ ستم ہیں بُرا ہو وفا ترا
دی جان دشمنوں نے شب وصل رشک سے

کھو آئے امتحان میں دل کا غرور ہم
اُس پہ ہزار جی سے ہوئے جاں نثار ہم

اصغر کہاں تلک کہیں اچھی نہیں ہے چاہ
دشمن تو بن گئے ترے نزدیک یار ہم

لاغری سے نظر آتا ہی نہیں اصلا میں
وعدے پر جان پھر آنے کے جیوں گا کیا میں
ناصحا سچ ہے کہ سمجھاتا تھا دل کو لیکن
بات خلوت میں جو کر لیتے تو کیوں بڑھتی بات
حشر پر وعدۂ دیدار جو سچ ہو تو کروں
نہ ستمگر کوئی تجھ سا نہ جفاکش مجھ سا
شوق نظارہ سے افزوں تھی کہیں غیرت رشک
بزم سے غیر کو بھی کھینچ کے لے آنا تھا
کشور عشق کی رسموں پہ ہوں نازاں یعنی

ہوں میں اس طرح جہاں میں کہ نہیں گویا میں
آپ جیسا مجھے سمجھے ہیں نہیں ویسا میں
دل کچھ انسان نہیں تھا جسے سمجھاتا میں
شرم بے فائدہ کی تم نے ہوا رسوا میں
ابھی اک حشر قیامت کے سوا برپا میں
غیر کیا ہے مرا ہم مثل ہی تو تیرا میں
بیٹھتا کوئے ہوسناک میں جا کر کیا میں
تیرے کیا اپنے بھی نزدیک بُرا نکلا میں
واں معزز ہوا یاں اور ہوا رسوا میں

نہ چلے اُٹھ کے بر غیر سے وہ نعش کے ساتھ
اصغر افسوس کہ جاں مفت میں کھو بیٹھا میں

وصل کی شام شب اور ہجر کے دن شام نہیں
کیا کہوں شدت شوق و ستم رشک کہ روز

کیا قیامت ہے کہ وہ گردش ایام نہیں
قاصد اک بھیجتے ہیں اور کوئی پیغام نہیں

کشتۂ ناز ہیں ہم روزِ ازل سے یعنی
سر آغاز ہمارا بجز انجام نہیں

گر گماں اور سے ملنے کا نہ ہو تو دمِ قتل
تم کو الزام نہ دوں گو مجھے الزام نہیں

گر آرام سے آیا بغلِ غیر پہ رحم
کہ بغل میں ہے وہ شوخ اور مجھے آرام نہیں

پھر خوشی کیا ہو تیری بزم میں اے ساقیِ دہر
پسِ خُم خم تو کہاں جام پسِ جام نہیں

حاصلِ کام کی امید بر آئے اے وائے
آج پہلو میں ہمارا دلِ ناکام نہیں

طعنۂ زندگیِ شامِ جدائی بے جا
جاں فزا کیا ہوسِ بوسہ و دشنام نہیں

آج آنے کو ہے کوئی تو دل آرا اصغر
بے سبب تو ترے گھر کا یہ سر انجام نہیں

مجھ کو وہ گرمیِ اغیار سُنا جاتے ہیں
کبھی آتے ہیں تو اور آگ لگا جاتے ہیں

نہ بلاؤ ہمیں تم پر اسی امید پہ ہم
پھرتے چلتے تمھیں فریاد سُنا جاتے ہیں

گھر میں پوشیدہ ہوسناک کو جاتے دیکھا
اب کوئی ہم ترے کوچہ سے بھلا جاتے ہیں

واں ملے حور تو کیا وصلِ صنم کی حسرت
یاں سے دل میں لیے ہم اب تو خدا جاتے ہیں

دودِ دل اور میری جان جلاتا ہے کہ یہاں
کبھی آتے ہیں تو وہ ہو کے خفا جاتے ہیں

تم جو ایک رات بھی آتے نہیں یاں تک مجھ کو
حسرت آتی ہے کہ دن عمر کے کیا جاتے ہیں

دور اے رشک کہ مدت ہوئی دیکھے اُن کو
کوئے دشمن ہی میں پھر آج ذرا جاتے ہیں

حسرت اے طالعِ خوابیدہ کہ پھر برسوں نیند
نہیں آتی وہ اگر خواب میں آجاتے ہیں

نہیں امکان کہ وہ قبر پر آویں اصغر
اپنے اندوہ کوئی بعدِ فنا جاتے ہیں

فریادِ جور لب پہ جو روزِ جزا نہیں
کچھ ذوق زخمہائے نمک سود کا نہیں
سمجھے نہ یہ کہ طاقتِ جورِ جفا نہیں
دل کی تپش ہی دشمنِ جاں ہی شبِ فراق
جلتا نہیں ہی خرمنِ ہستی غیر اور
کہتا ہی اپنا حال عبث کیوں کیانباہ
تیرے خرامِ ناز نے ظالم کیا ہی خاک
اب کوئی تیرے ہاتھ سے جاتا ہی حشر تک
رنجیدہ جاتے ہو دمِ طغیانِ بحرِ اشک
گھر کیونکر ایک دم کے لیے جانے دوں تمھیں
لڑتی ہی آنکھ یار سے ای بوالہوس سرک
ہی وقتِ مرگ بھی اُسے بیداد کا خیال

بھولے ہم اب بھی وہ نگہ سرمہ سا نہیں
کیا بوالہوس کی زیست کہ مطلق مرا نہیں
اپنے سے ہی گلا مجھے تم سے گلا نہیں
کیا جیتے صبح تک کہ دل اک دم تھما نہیں
کم برق سے مرا نفسِ شعلہ زا نہیں
کیونکر کہوں اُسے میری الفت ذرا نہیں
پامال میں کبھی ستمِ چرخ کا نہیں
عاشق کا رنگ خوں ہی یہ رنگِ حنا نہیں
پھر بھی کہوگے تم کہ میں ناآشنا نہیں
کچھ اعتبار زندگیِ بے وفا نہیں
میدانِ جنگ ہی یہ تماشہ کی جا نہیں
آنکھیں تو پھر گئی ہیں مگر دل پھرا نہیں

روزِ جزا اسکا غلغلہ **اصغر** سُنا کرو
ہرگز شبِ فراق صنم سے سوا نہیں

ہر بات پر ہماری نہیں کب وہاں نہیں
دعوے ہی غیر کو کہ نہیں خوفِ جاں نہیں
کب دل گداز حوصلہ سوزِ نہاں نہیں
اُس تندخو کی رنجشِ بیجا کا کیا علاج
یارب کہاں تلک ستم اس کے اُٹھا سکوں

دشمن کی بات کونسی ہی جس پہ ہاں نہیں
مرتا ہوں میں کہ اُن کو مرا امتحاں نہیں
کب لب پہ میرے نالۂ آتش فشاں نہیں
دُنیا میں چارۂ اجلِ ناگہاں نہیں
آخر میں کچھ فسرلقمۂ آسماں نہیں

آئی ہے شامِ ہجر قیامت ہزار بار
آثارِ صبح چرخ پہ اب تک عیاں نہیں

اخفائے رازِ عشق ہے منظور گو ہمیں
پر حالِ زار یہ ہے کہ کچھ بھی نہاں نہیں

میرے تمام ہونے سے کیونکر تمام ہو
ظالم شبِ فراق ہے عمرِ رواں نہیں

باغِ بہشت کو میں ہمیشہ بناؤنگا
گر دھیان آگیا کہ یہ کوئے بتاں نہیں

گھر میں ترے عدو کو کھٹکنے دوں ذکر کیا
اتنا تو میری جاں میں ابھی ناتواں نہیں

کیوں وقتِ مرگ نالش روزِ جزا پہ جنگ
تابِ سخن بھی مجھ میں تو اے بدگماں نہیں

اصغر خموش ہو رہے پڑھ کر جو چند شعر
کیا اس دیار میں کوئی اہلِ زباں نہیں

تسکیں کی اور تو کوئی صورت یہاں نہیں
لاویں زباں پہ نام ترا سو زباں نہیں

بیخود ہیں بے حواس ہیں تاب و تواں نہیں
وہ کیا یہاں نہیں ہے کہ ہم خود یہاں نہیں

اے ہمنفس یہ حسرتِ دیدار دیکھنا
روتا ہوں زار زار پر آنسو رواں نہیں

ہوتی ہے اب جفا بھی تو دشمن کی جان پر
تم کو خیالِ رنجِ دلِ دوستاں نہیں

یہ نازکی تو دیکھ تو کہتا ہے پند گو
اس ضعف میں بھی وہ ترے دل پر گراں نہیں

کیونکر کھلے معاملۂ شوق و التفات
وہ کم سخن ادھر مرے منہ میں زباں نہیں

ساری بہار سایۂ گلبن میں کٹ گئی
مجھ سے زیادہ کوئی خراب آشیاں نہیں

بے صرفہ سعی سے غمِ آوارگی قبول
میں پیروِ غبارِ پسِ کارواں نہیں

سارے ستم قبول جو رشکِ عدو نہ ہو
یہ دشمنی ہے ناز نہیں امتحاں نہیں

یوں کج روش ہے چرخ کہ گویا ہمارے پاس
آہِ شرر فشاں مژۂ خوں فشاں نہیں

شاہد ہے تیرے کینہ سے امید ترکِ عشق
ناصح ہمارے حال پر اب مہرباں نہیں

مرگِ طرب سے خوش ہوں کہ بیم فراق ہی
شامِ وصال حسرت تاب و تواں نہیں

کیوں بند کردیں میکدہ جا تیری خیر ہو
جا ناکہ محتسب ہی تو پیرِ مغاں نہیں

حالِ تباہ کے ہیں یہ قصے یقین جان
ہی بے وفا رقیب اگر بدگماں نہیں

عالم وہی ہی عشق وہی بعد مرگ بھی
کہتا ہی کون جان نہیں تو جہاں نہیں

آداب عشق تھا نہ لڑے ذکر غیر پر
ورنہ کسی کے بس میں کسی کی زباں نہیں

پیری میں سر نہ ملنے کا کیا شکوہ ضعف سے
زیبا نہیں یہ عشق اتم **اصغر** جواں نہیں

غیر دابے سامنے میرے تمہارے ہاتھ پاؤں
کیوں نہ پھڑکا نہیں میرے غصہ کے مارے ہاتھ پاؤں

ہر نبہ گردی سینہ چاکی سے نہیں اک آن چین
اس سے بہتر تھا جو شل ہوتے ہمارے ہاتھ پاؤں

داب زانو سے نہ غیرِ بے ادب کو وقتِ ذبح
دکھ نہ جائیں تیرے نازک ہیں پیارے ہاتھ پاؤں

ہو گئی اب بے سپر رنگ خوں سے رونق اور کچھ
خوب تھے ہر چند پہلے بھی تمہارے ہاتھ پاؤں

جائیں گے ہم واں لپٹ کر دست و پا مور سے
کیا کریں ملتے نہیں اب لے سہارے ہاتھ پاؤں

گرچہ ہوں بے دست و پا پر غیر کا مقدور کیا
جو ہلاتا مجھ سے بے تیرے اشارے ہاتھ پاؤں

شعلہ رو اب رحم کر کیا سرد مہری بعدِ مرگ
ہو گئے ٹھنڈے ترے بسمل کے سارے ہاتھ پاؤں

تا نہ تڑپیں ہم نہ آئے رحم تجھ کو وقتِ قتل
اپنی آنکھیں باندھ لو قاتل ہمارے ہاتھ پاؤں

خون ہی دل سادہ رو مہندی کی رنگت دیکھ کر
آج کس بے رحم نے تیرے سنوارے ہاتھ پاؤں

بڑھ گیا درد جگر سے جسم لاغر پر ورم
اب نظر آنے لگے بھاری ہمارے ہاتھ پاؤں

تیری لے لیتے بلائیں آسماں سے آن کر
اے قمر طلعت اگر رکھتے ستارے ہاتھ پاؤں

دامنِ جلاد ہاتھ آیا نہ **اصغر** ہائے ہائے
خاک و خوں میں دیر تک ہر چند مارے ہاتھ پاؤں

فائدہ پایا نہ تسکین دلِ بے تاب میں
خواب تو آیا ولیکن وہ نہ آیا خواب میں

ہو چکی ہوگی شبِ غم تو سحر کب کی مگر
تیرگی قسمت سے ہے خورشیدِ عالمتاب میں

تیرا خنجر دیکھ کر کچھ جان میں جان آ گئی
تھی مگر آمیزشِ آبِ بقا زہر آب میں

پھر گیا پیشِ نظر لطفِ وصالِ مہ جبیں
ہو گیا تاریک یاں عالم شبِ مہتاب میں

ایک نظر دیکھا کہ بس غش آ گیا ہنگامِ ذبح
بخت جاگے تھے ہمارے لیک جوشِ خواب میں

یہ دلِ بیتاب پہلو میں مرے زیبا نہ تھا
چاہیے تھی اس کی جا گہ معدنِ سیماب میں

کیوں نہ میں مضمون الفت اس میں **اصغر** باندھتا
جو محرک ہیں غزل کے ہیں میرے احباب میں

اے دل حصول کیا جو گلہ غیر کا کروں
اس کے سوا کہ یار کو ناحق خفا کروں

تم غیر سے ملو تو میں کیا چپ رہا کروں
تم کو نہ ہو لحاظ تو میں کیوں حیا کروں

وہ بے نیاز اور وہ بے رحم کیا کروں
ہے ہے صنم کروں میں کہ ہے ہے خدا کروں

دیکھیں گے کس کے قول کو دونوں میں ہے ثبات
ہاں تم تو اب جفا کرو اور میں وفا کروں

آتی نہیں ہے یار کی ہرگز خبر کہیں
میں کیا کروں کہ خاطرِ دشمن میں جا کروں

کرتے ہیں جرمِ عشق پہ وہ قتل جی میں ہے
یک چند بوالہوس کو میں عاشق کہا کروں

تجھ پر بھی وہ خفا ہوں تو کیا ہوئے اے عدو
ہنسنے کی جا نہیں ہے اگر رو دیا کروں

غفلت شعار مرگ و ستم اضطرابِ دل
کس کس کی جان کو میں شبِ غم دعا کروں

اصغر بیاں نہ ہوے گی شوخی کلام کی
یاروادائے یار کا کیا حق ادا کروں

رہ گیا ہی جو ترا نقش کف پا گھر میں
پڑ گل گشت و عبادت ہی مصلا گھر میں

جوشش سودا کا ہی ازبس کہ تماشا گھر میں
اتنی کثرت ہی کہ میری بھی نہیں جا گھر میں

جب گئے آپ مجھے چھوڑ کے تنہا گھر میں
گور میں جو کہ گزرنا تھا سو گذرا گھر میں

کس قدر دردِ محبت میں مزا آیا ہی
دم نکل جائے اگر آئے مسیحا گھر میں

اُس کے دل میں نہ رہی جائے پس رسوائی
ہوئے دیوانے تو کیا کام ہمارا گھر میں

جب نہ آئے وہ تو گھبرا کے عدم کو چلے ہم
کیا کریں دل کسی صورت سے نہ بہلا گھر میں

کاٹتا ہی ترے بن کلبۂ احزاں مجھ کو
قتل گہ کی سی اُٹھاتا ہوں میں ایذا گھر میں

کس کے آنے کی تمنا میں ہوں بیخود یا رب
کہ مرے آپ سے جانے کا ہی چرچا گھر میں

اشک تو دیع کو ہی خانہ خرابی منظور
جب تلک گھر ہی میرا اور ٹھہر جا گھر میں

نہ دل و دیں نہ زر و مال نہ جاں بہرِ نثار
یار آتا بھی تو **اصغر** ترے کیا تھا گھر میں

جان کو اُن سے ستمگر پہ فدا کرتے ہیں
آپ حیراں ہیں ہم آپس میں کہ کیا کرتے ہیں

ہوئی دیر او رجھانے پہ نہیں آئے وہ
ہوں میں ازبس کہ ستم کشتہ حیا کرتے ہیں

بیکسی دیکھ کہ ہم آپ ہی اپنے پہروں
مرنے پر روتے ہیں جینے پہ ہنسا کرتے ہیں

بیٹھ رہنے نے گلی سے بھی نکالا افسوس
ہم تو سمجھے تھے کہ دل میں ترے جا کرتے ہیں

دل ہوا سینہ میں نذرہ تری ٹھوکر کے بغیر
بے قیامت کہیں مُردے بھی جیا کرتے ہیں

دیکھنا ظلم کہ دشمن کے کہے سے مجھ پر
نہیں کرتے وہ جفا کیسی جفا کرتے ہیں

بحث ناصح سے گلہ یار سے اغیار سے جنگ
ہم ہیں دیوانے یہ سب کام کیا کرتے ہیں

کیا نکالیں گے وہ بت خانہ سے اے **اصغر** آ
کہ جو مسجد میں پڑے ہائے خدا کرتے ہیں

لیے قدم تو کیا اُس نے پائمال ہمیں
کمال شوق کے باعث ہوا زوال ہمیں

کہاں تصورِ وصل اب وہ ہائے محرومی
یہ ضعف ہے کہ نہیں طاقتِ خیال ہمیں

عدو کے رنج سے بھی ہم نہ خوش ہوئے یعنی
اُنھیں ملال ہوا تو ہوا ملال ہمیں

عبث دماغِ فلک پر ہے نالہ کاہل کا
کہ ساتھ داغِ جگر کے ملا کمال ہمیں

خفا ہوئے تو ہوئے خود ہی صاف دل اللہ
ہمارے قصہ کا سونپا تھا انفصال ہمیں

نہ پوچھ وقتِ عبادت عدو کی جانب سے
ذرا تو ہونے دے اے بے وفا بحال ہمیں

غلط سمجھتے تھے ہم جاں کو بے وفا یعنی
کہ ساتھ نکلے جو اس نے دیا نکال ہمیں

ہماری قبر پہ اے حشر کیوں یہ ہنگامہ
کہ اب تلک نہیں بھولی کسی کی چال ہمیں

یہ اتحاد ہے بے پردہ خوابِ اعدا میں
کبھی وہ بنا ہیں تو ہوتا ہے انفعال ہمیں

کیا جو کچھ بھی تغافل تو پھر نہ سنبھلیں گے
سنبھالنا ہے تو جلدی سے لو سنبھال ہمیں

نہ پوچھ حال کچھ اصغر کہ بے خودی کے سبب
یہ حال ہے کہ نہیں معلوم اپنا حال ہمیں

ہے روزِ ہجر تو ہو ہم جہاں سے چلتے ہیں
یہ دل نہ ٹھلے نہ ڈھلے اب کے منکے ڈھلتے ہیں

وہ دیکھتے ہیں تماشا کہ دیکھتے ہیں ادھر
نظر کے ساتھ عجب رنگ ہم بدلتے ہیں

نہ پوچھ سوزشِ گریہ سے میرے سینہ کا حال
جو آنسو پونچھتے ہیں اُن کے ہاتھ جلتے ہیں

ہے رشکِ نہر ہر اک نیم قطرہ اشک اپنا
ذرا سے پانی پہ فوارے کیوں اُچھلتے ہیں

جو آرزو ہے وہ بنتی ہے خوں ہو آنکھ کی راہ
یہ جوشِ یاس سے ارمان بہہ کے نکلتے ہیں

فغاں سے کرتے ہیں اک شورِ حشر برپا
جہاں بگڑتا ہے ہم جب کبھی سنبھلتے ہیں

جلے یہ سوزِ جگر میرے سینہ میں اُس کے
نشان تھے کئی ہچکیاں سوا سب پگھلتے ہیں

فقط نہ پیسا ہے اس آسیائے گردوں نے
کہ سبزہ رنگ بھی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

ہم اس کی نرگس جادو پہ مرتے ہیں یعنی
کہ جس کے سایہ میں فتنے ہزاروں پلتے ہیں

نہ آئے یار تو ہوتی نہیں تسلی دل
امید مرگ پہ اصغر کوئی بہلتے ہیں

کب ہوئے خوش مل کے اپنے گلبدن سے ایک دن
کب ہنسے ہم نغمۂ مرغ چمن سے ایک دن

وصل کی شب ہو میسر اے خدا اٹھتے کہیں
شور شادی کا مرے بیت الحزن سے ایک دن

سیکڑوں دن ہجر کے کیونکر کٹیں گے دیکھیے
شمع رو گزرا ہی تنگ رنج و محن سے ایک دن

دل کو ٹھنڈا کر کے رہ اے گرمی کیں چاہیے
غیر جل کر خاک ہو میری جلن سے ایک دن

بستیوں کی سیر سے دیکھیں کہاں ہو جی بسا ہے
چھوڑیں سر سنگ مزار کوہکن سے ایک دن

عمر گزری اے پری رو آرزوئے وصل میں
ہو چکی وحشت کہیں دیوانہ پن سے ایک دن

غیر کے گھر بھیج شام ہجر کو اب اے فلک
پھونک دونگا ورنہ آہ شعلہ زن سے ایک دن

اے زلیخا ہم نہ ہوں یوں شام دوری سے دماغ
بوئے یوسف آئے گر اس پیرہن سے ایک دن

گر یہی ہے تفرقہ سازی گردوں دیکھنا
ہم چھٹیں گے جان اور جان تن سے ایک دن

کیا سیہ روزی ہے اصغر کم نہ دیکھا عمر بھر
تیرگی شام زلف پر شکن سے ایک دن

وہ زخود رفتۂ چشم بت مے نوش ہوں میں
کبھی ساغر نظر آجائے تو بے ہوش ہوں میں

کہیں آجائے کہ بلا لینے کی پھر ہوش نہیں
کم تری یاد میں اب وعدہ فراموش ہوں میں

تیرا وعدہ ہی قیامت میرا نالہ ہی غضب
آفتِ چشم ہی تو اور ستم گوش ہوں میں

داغ کثرت سے بدن پر نہیں کھاتا بے وجہ
دلِ خوں گشتہ کے ماتم میں سیہ پوش ہوں میں

آرزو سے نہیں رہتا کبھی دم بھر خالی
ہی بجا گر یہ کہوں غیر کی آغوش ہوں میں

غش کے جاتے ہی پھر رو دیا ہوں کہ پھر غش آیا
شامتِ گریہ سے دریا کا سا اک جوش ہوں میں

دیکھ ای شوق مجھے رشک سے شرمندہ نہ کر
بعد ہم دوشیِ اغیار بھی بے ہوش ہوں میں

کیوں نہ نادم ہو میری جورکشی سے گردوں
کہ فدائے ستمِ شوخِ ستم کوش ہوں میں

جاں گئی پر نہ گیا سوزِ جگر ای **اصغر**
ہو گیا خاک تو کیا آتشِ خاموش ہوں میں

شبِ غم سرمۂ چشمانِ فسوں ساز نہیں
کیوں یہ حالت ہی کہ نالاں ہیں پر آواز نہیں

حسرتِ بوسہ نے ہر چند بن آئے مارا
دمِ عیسیٰ کو سرِ دعویِ اعجاز نہیں

کیوں سرِ شام یہ دروازہ عدو کے گھر کا
بند رہتا ہی درِ فتنہ اگر باز نہیں

ذکرِ محشر سے ہوا غیر کو فکرِ انجام
میرے افسانہ کی تمہید ہی آغاز نہیں

صورتِ بلبلِ تصویر ہوں گلشن میں اسیر
ہی مجھے بیم رہائی غمِ پرواز نہیں

تو وہ ہرجائی ہی مہوش کہ کوئی میرے سوا
گاہ منشای فلکِ تفرقہ انداز نہیں

جاں نثار ہر جلاد ہوئے پیش از قتل
ہی وہی عاشقِ جانباز کہ سرباز نہیں

ہی تغیر میری صورت کو مصور ہر دم
مری تصویر کو کچھ حاجتِ پرداز نہیں

غیرتِ محرمیِ غیر کہے آپ کے کون
رشک ہی یاں تو کوئی محرم ہمراز نہیں

گریہ و آہ کی مجھ کو بھی اجازت ہو جائے
تیرے کہنے میں اگر غمزۂ غماز نہیں

شکر ہی نغمۂ گل ریز نوا کیوں اصغر
طوطیِ ہند نہیں بلبلِ شیراز نہیں

عہدِ وفا ہی جھوٹ ہو سچ کو کیا کہوں
میں بے وفا نہیں کہ اُسے بے وفا کہوں

روزِ جزا حجابِ وفا نے ستم کیا
یہ منہ نہ تھا کہ حال تیرا ایک ذرا کہوں

خورشید مثلِ ماہ ہو تشبیہ کے لیے
بھولے سے بھی اُسے میں اگر بے وفا کہوں

رونا تھا ذوقِ قتل کا زیبا ہوا اب اگر
زخمِ نما کو خندۂ دنداں نما کہوں

ہنگامہ وہ کہیں عدو ہیں کے اور بھی
چپ ہوں کہ بے وفا نہ کہوں اس کو کیا کہوں

غصہ ہی سینے آہ گر آ نہیں ہے رحم
بس کب تک اپنے نالے کو میں نارسا کہوں

جیتا رہا فراق میں مرنے کی آس پر
ہر درد کو بجا ہے گر اپنی دوا کہوں

اصغر صنم کا جی نہ جلا حال پر کبھی
دوزخ کو کیا میں اپنا دمِ شعلہ زا کہوں

نالہ کب باعثِ دردِ سرِ احباب نہیں
کونسا وقت اثر کا ہے کہ نایاب نہیں

ہنس لب بستہ کوئی خاک ہوا ہے شاید
کہ میری چشم تک اس دشت میں آب نہیں

دل جلے گا تو عدو کو بھی جلا لے گا کہاں
تپشِ نالہ ہے بیتابی سیماب نہیں

اب بھی اس شوخیِ بیہم سے اُٹھا لیجے ہاتھ
کہ میرے ہاتھ میں کیسے دلِ بیتاب نہیں

شکوہ ہجر میں ہوتی ہے شبِ وصل تمام
بخت بیدار ہوئے تو بھی مجھے خواب نہیں

اشکِ خوں دیکھ کے دامن پہ مرے کیوں ہے عتاب
آستیں پر میری کیا داغِ مئے ناب نہیں

اصغر اس سینہ فگاری پہ شبِ عدہ یار
یوں پڑے پھرتے ہو گویا شبِ مہتاب نہیں

وہم سے ہر غم کمال ہے ہیں
کیوں دیا عشق بے زوال نہیں

حسرتیں ہجر سے گراں تر تھیں
موت آئی شبِ وصال ہمیں

طعنۂ آہِ بے اثر کب تک
سانس لینا ہوا محال ہمیں

یار سے صلح ہو تو تجھ سے نہیں
اے فلک کچھ سرِ جدال ہمیں

ساقیا ہم گریں پہ مے نہ گرے
تھام ساغر کو مت سنبھال ہمیں

دولتِ وصل کی طلب بے حصول
داغ دیتا ہے بے سوال ہمیں

نعش پر اپنی وہ پیادہ آئے
جاں نثاری ہوئی وبال ہمیں

پاس سے تیری آمد آمد پر
تھا قیامت کا احتمال ہمیں

اُن کو ہرچند اپنا دھیان نہیں
تو بھی کیا کیا نہیں خیال ہمیں

اِن رقیبوں کے ملنے سے حاصل
ہو چکا سب میں انفعال ہمیں

بیخودی میں گذر گئی شبِ وصل
یہ ہوئی باعثِ وبال ہمیں

خاک کرتے وفا کہ تھا ظالم
ابتدا سے غمِ مآل ہمیں

لوٹنا حسبِ مدعائے رقیب
صورتِ قرعہ ہائے فال ہمیں

سامنے اُس کے خوں رُلائے گی
اصغر اپنی زبانِ لال ہمیں

بس کہ شعروں میں نہاں غیر از بیانِ غم نہیں
اپنی ہر اک بیت کچھ بیت الحزن سے کم نہیں

لاغری سے زیست میں غائب ہیں چشمِ خلق سے
ہے ہمارے پیرہن میں جاں ہماری ہم نہیں

تیرے کہنے سے میں کھاؤں کیونکہ دیوانہ ہو
اُس کے ملنے کی قسم ہے چارہ فرما ہم نہیں

باز کیونکر ہو کہ ہے اہلِ ہوس کا خون حلال
بعد قتلِ غیر دیکھو اُس کی گردن خم نہیں

دیر گزری مر گئے گو اور نہ آیا وہ یہاں
بدگماں سمجھا ہے دم اور مجھ میں باقی دم نہیں

اُس کے چہرے پہ پسینا دیکھ کر گلگشت میں
چہرۂ گل غرقِ آبِ شرم ہے شبنم نہیں

رشکِ دشمن کا ہمیں گو سہنے مگر مجبور ہیں
بزمِ عالم میں کسی پر اس قدر عالم نہیں

یہاں نہیں ہے دست جو سینے میں ہو باقی نہ چھوڑ
بعد مرگ اُس کی گلی کے چھٹنے کا ماتم نہیں

آ رہی ہے ضد سے مرگِ مدعی پر اپنی زیست
ورنہ کچھ وہ اور ہے اک بے وفا تو ام نہیں

ہیں کہ پنہاں اس میں اک پردہ نشیں کا شوق ہے
ہے جو محرم وہ بھی اپنے درد سے محرم نہیں

محتسب کی آمد اصغر ہے غلط یہاں کام کیا
مے ہے اور میخانہ ہے کعبہ نہیں زمزم نہیں

سببِ سوز ہے کیا چشمِ فسوں ساز نہیں
کہ ہوا درد فغاں سرمۂ آواز نہیں

اپنی شوخی سے گلہ چاہیے گستاخی کا
چین لینے نہیں دیتے ترے انداز ہمیں

نالہ زن کیا ہوں گرفتارِ قفس زار ہیں ہم
نہ غمِ قید نہ اندیشۂ پرواز ہمیں

کیجیے چشمکِ اغیار کا کیا کیا شکوہ
بات کرنے دے اگر غمزۂ غماز ہمیں

عرش کو آہ سے ہے ہم شگاف اندازی
نہ جلا اے فلکِ تفرقہ انداز ہمیں

آپ آئیں تو خفا ہو کے عدو اٹھ جائے
محفلِ یار میں کافی ہے یہ اعزاز ہمیں

جان گو لب تک آ ہی پہ مزا بھی آیا
کچھ نہ سکنے پہ گوارا ہیں ترے ناز ہمیں

نہیں دیوار سے ایام گذر رہو معلوم
کب کیا پستیٔ طالع نے سرافراز ہمیں

ستم و ولولۂ حوصلۂ پرواز نہ پوچھ
نہ رہا حوصلۂ ولولۂ پرواز ہمیں

اُس لب و چشم کا کیا کیجیے بیاں اے اصغر
دعویٔ سحر بیانی نہ کچھ اعجاز نہیں

عہد ترکِ شراب کرتا ہوں
دل کو اُس بن کباب کرتا ہوں

بختِ دشمن کی ہائے بیداری
کب سے تنہا میں خواب کرتا ہوں

کیوں بگڑتے ہو تم عبث میں تو
پرسشِ اجتناب کرتا ہوں

سرنگوں کیوں نہ ہوں تری زلفیں
میں بھی دل سے حجاب کرتا ہوں

محتسب پی کے مے ہوا بدمست
آج میں اجتناب کرتا ہوں

ہجراں میں جان ہے تو فکرِ وصل
دلِ پُر اضطراب کرتا ہوں

تم مرے داغِ دل شمار کرو
میں ستم کا حساب کرتا ہوں

دیر آنے میں کس لیے ظالم
کام اپنا شتاب کرتا ہوں

خود تو برباد ہو چکا دیکھوں
اب میں کس کو خراب کرتا ہوں

دور بھاگے ہے اور ای اصغر
جتنی یادِ شباب کرتا ہوں

آنکھیں ہماری فرش ہیں اب راہِ یار میں
کیوں ہو صبا خراب تلاشِ غبار میں

وہ آئے اور نہیں ہے ثبات اضطرار میں
مرتا ہوں اُن کو تھاموں کہ دل کو کنار میں

گذرے گی کیا وصال میں یاربّ وہ نازنیں
اور خواہشیں بہت دل امیدوار میں

آج تک نہیں تو جان سے جاتا ہوں بے وفا
صدمے ہیں کشمکش کے ترے انتظار میں

اب کیجیے معاف کہ شوخی سے آپ کی
قابو میں دل ہے اور نہ ہم اختیار میں

ہے پہلے جام پینے کا ساقی سے مجھ کو حکم
شاید ملا ہے زہر مے خوش گوار میں

گردش نے کس کی چشم کی بے ہوش کر دیا
بے بادہ کس لیے ہوں میں ہر شب خمار میں

بھیجا نہ ہو رقیب نے آئی ہے بے وفا
بو عطرِ فتنہ کی ترے پھولوں کے ہار میں

مئے نوشئِ فراق سے وہ بدگماں ہوئے
ٹپکا لہو دہن سے جو دل کے فشار ہیں

اصغر سے ہم سخن ہو نہیں گو دہن صنم
رخنہ نہ ڈال صنعتِ پروردگار میں

گھر ہی جلتا ہے دل کباب کہاں
محتسب غم کہاں شراب کہاں

پیرو دردِ دل ہیں اب دیکھیں
ٹھہریں ہم خانماں خراب کہاں

میرے خط کا جواب تو دیکھو
آہ اُس شوق کا جواب کہاں

نامہ بر بات کیوں بنا لایا
جو وہ دیتے یہ وہ جواب کہاں

جب کہا جور بے حساب نہ ہو
بولے دکھلاو ہے حساب کہاں

روز محشر بھی پر بلا ہو لیک
شب ہجراں کے سے عذاب کہاں

توسن عمر کنارہ اور یہاں
تازیانہ کہاں رکاب کہاں

یاد ایام وصل یار افسوس
اب زمانے کو انقلاب کہاں

وہ جو اُلٹے نقاب ہو یہ غلط
دیکھو مہ شب کو آفتاب کہاں

تجھے تو کیا کیا خیال پر اُسے دیکھ
کھل گئی آنکھ اب وہ خواب کہاں

عشق و پیری یہ نا سزا اصغر
طبع گو ہے جوان شباب کہاں

دل کسی کا بھی پائمال نہیں
تجھ سی کبک دری کی چال نہیں

واں ملا پہلے ہی جواب صاف
یہاں سے حالانکہ کچھ سوال نہیں

وہاں دشمن سا آپ کو ہی ڈر
دوستی کا نہ مجھے خیال نہیں

زلف میں سے پڑا ہی دل کا عکس
تیرے رخسارہ پر یہ خال نہیں

دل لگا کر یہ آبنی کہ نہ پوچھ
ہم تو سمجھے تھے کچھ محال نہیں

دیجیے گا سمجھ کے ای اصغر
دل ہی کچھ جان کا وبال نہیں

اُن کی عدو کے گھر نہ کریں جستجو کریں
ای شوق لے صلاح دے ہم کو جو تو کریں

حسرت میں ہی کہ حسرت دنیا نہیں سے مجھے
ارماں فلک کے نکلیں جو ہم آرزو کریں

جس کی مژہ کے زخم ہیں وہ بھی تو دیکھ لے
یوں کس طرح سے چاک جگر کو رفو کریں

ہم نے تو اُس کے عشق میں دل کر رکھا ہی سنگ
کاش آئنہ ہی کہہ کے وہ بس روبرو کریں

ظالم مبادا کوی تجھے بے وفا کہے
مت کہہ کہ دفن لاش کو اُس کی عدو کریں

پیرِ مغاں کا سجدۂ شکر یہ اب ہی فرض
پانی نہیں شراب تو ہی بس وضو کریں

دل نذر کاوشِ مژہِ یار ہو چکا
دس بیس زخم ہو ویں تو بیٹھے رفو کریں

مشک و گلاب غسل کے لیے لاے ہیں عبث
تدبیر اُس کے لانے کی کچھ چارہ جو کریں

مت پوچھ روز ہجر کٹا کس طرح یہاں
جوں شمع ایک رات میں کیا ماہ رو کریں

صبر و شکیب تاب و تواں سب رہے نہ آہ
دل ہی فقط گیا ہو تو ہم جستجو کریں

اصغر کی یہ دعا ہی کہ بد ہیں پر ای خدا
جبتک جییں نظارۂ روئے نکو کریں

ظالم ہی دود آہ نہیں گرد راہ میں
ہر ذرہ بس کہ دل ہی تری جلوہ گاہ میں

ابتک زبان تیری تھی خاموش مرتے دم
فرہاد کیوں کہا کہ یہ لذت ہی چاہ میں

جا پہنچے بارے چرخ تک شعلہ ہائے دل
تارے تو ہیں کہاں میرے روز سیاہ میں

ہو جو مزاج چاہے سو باتیں بنائیں لوگ
کس کس سے کہیے یوں خلل آیا نباہ میں

پردہ ہی بیچ کوے صنم کا غم بہشت
صوفی کو وقت جوش قلق خانقاہ میں

طاقت نہیں ہی ضبط کی اب اور دل و جگر
مدت چھدے رہے تو نے تیر آہ میں

لیلی کا سا دماغ کہاں تجھ کو ای پری
مجنوں رکھے تھا ورنہ مرے ڈھب نگاہ میں

کہہ وے وہ شوخ پہلے کہ سرمست پھر امرا
ہرچند ہو سخن دہن داد خواہ میں

اصغر چلو حرم کو جو اس بت سے جنگ ہی
ڈھونڈیں گے اور غارت گر دیں کوی راہ میں

رکھا ان بتوں سے ہم کو خدا تو پناہ میں
اعجاز لب میں پنہاں ہی جادو نگاہ میں

یوسف کا عہد رشک کی جا گہ ہی بے وفا
اب تو اثر دعا میں نہ تاثیر چاہ میں

وہ ناز وہ حیا وہ اشارہ وہ غمزہ آہ
باتیں وہ ہوش کاہ یہ مستی نگاہ میں

ملنے نہ ملنے کے تو ہو مختار تم مگر
اپنی طرف سے فرق نہ ہوگا نباہ میں

فرہاد کا قصاص بھی خسرو سے لے رقیب
شیریں تو مر نہ جاے گی کچھ ایک آہ میں

ہر بار میری بادہ کشی پر ہی طعن کیوں
واعظ مگر ثواب ہی ذکر گناہ میں

گر وہ نہیں ہی قرب جو تجھ سے تو کس لیے
بچھوا دیے ہیں خار رقیبوں سے راہ میں

میں اپنے بخت تیرہ سے شاکی ہوں بے وفا
دل کچھ خفا نہیں تری زلف سیاہ میں

کیا دیکھتے ہو طاقت نظارہ ہی کسے
اب تک بھی ہم وہی ہیں تمھاری نگاہ میں

ہرچند شرم بھی ہی تغافل بھی ناز بھی
تو بھی کمی نہیں نگہ تابگاہ میں

اصغر خراب بادۂ توحید کے لیے
ہی میکدہ میں کیا جو نہیں خانقاہ میں

دل تو دیا ہی جان بھی دیں کیوں جو سنیں پیغام ہو — تم تو پختہ ہوئے ہو پر ہم بھی اتنے خام نہیں
سانس ہی یا ہچکیاں ہی یہ ہیں دل میں کیا ہی دیکھو تو — خار سا کچھ تو کھٹکے ہی یوں جان کو جو آرام نہیں
صحرا صحرا نعش پھرائی قتل ہوئے پر وحشت نے — آپ ہی ہم تشہیر ہوئے کچھ قاتل کو الزام نہیں
جوش قلق میں ہم چھلے زمیں سے چرخ تلک سوئے یار — پستی دیکھو طالع کی اب تک بھی گزر بام نہیں
نقد جاں نہ دوں کیوں پہلے زندہ ہوں مشکل ہی — جان پہ یوں کھیلا قاصد اس کا کچھ انعام نہیں
تیغ سے اب تک واقف کیا ہی کیونکہ قطرے ایسی سے — جنگ میں یہ کہہ جاتے ہیں بس تجکو ہم سے کام نہیں

سادگی اتنی ہم کی جا ہی شام وعدہ اصغر یوں
کرتے ہیں سامان وصل کا گویا چرخ بد انجام نہیں

کیا مدارات کروں گر تجھے مہمان کروں — گھر کہ آباد ہی اب تک اُسے ویران کروں
چاک کرنے سے تھکے ہاتھ بھی اے چارہ گرو — لا دو دامن نہ مجھے اُس کا میں گریباں کروں
نہ جھکے معرکۂ عشق میں گردن جی جائے — تیغ قاتل ہو تو سر بیچ کے احسان کروں
خوف سے غل ہو محلے میں کہ طوفان آیا — میں ہنسی میں بھی اگر گریہ کا سامان کروں
آرزو میری نکلنے دے فلک کیا ممکن — جی میں ہی کام دل غیر کا ارمان کروں
سخت مفلس ہوں کئی ظرف وضو دو للہ — اہل مسجد کہ یہاں بادہ کی دکان کروں

خوف کی جا ہے اصغر کا رلانا ہنس کر
ہوں پشیمان جو پشیمان کو پشیمان کروں

ولہٗ

ناحق بگاڑنے کو ضرورت سبب نہیں
کہتے ہیں تم کو پہلی سی الفت بس اب نہیں

ناکامیٔ امید پہ کیونکر قرار آسکے
کہتے ہو بات بات پہ تم جب تب نہیں

مہر و وفا سے کیا ہمیں لذّت سے کام تھا
شادی ہی کی جگہ ہے کہ رنج و تعب نہیں

پابند وضع یار نہ گستاخ وضع عشق
وہ بوالہوس نواز ہے ہم بے ادب نہیں

باتیں خوشی کی ہوتی ہیں ساری خوشی کے ساتھ
اُس بن شراب کی مجھے ہمدم طلب نہیں

عاشق کا تیرے غیر ہے احوال دم بدم
شب تھا سو دن نہیں ہے جو دن تھا سو شب نہیں

رونا ہے اُس کے آگے سوا لاکھ عیش سے
مطرب کرے وڑگایں تو اُس بن طرب نہیں

اصغر کسی طرح سے تو قاتل تلک تو جا
آجائے رحم حال پہ تیرے عجب نہیں

ایک عیار ہوں میں جان نہ دوں
لاکھ لیوے لوں امتحان نہ دوں

خوں بہا لو قصاص لو تم لیک
غیر کو قتل سے امان نہ دوں

بیکسی وہ رفیق ہے کہ اگر
ملیں بدلے میں دو جہان نہ دوں

اُس کے کوچہ کی خاک سے ترجیح
ہو جو رضواں کا گلستان نہ دوں

گالیاں دیں بقدر خواہش دل
کیوں دعا تجھ کو مہربان نہ دوں

یار اپنی زباں سے مانگے تو
حیف اصغر اگر میں جان نہ دوں

ولہ

باوفا عشق بے وفا ہی حسن ایک ہیں دونوں پر جدا ہی حسن
دیکھ عکس اُس کا آئنہ میں کھُلا سنگ ہی دل پر عشق کا ہی حسن
سبزۂ خط کی یہ بہار ای گل گویا تجھ پہ مبتلا ہی حسن
آئنہ میں نہ دیکھ اپنی شکل دل ربا دیکھ دل ربا ہی حسن
مہر سے ذرّہ تک ہی نور اُس کا عرش سے فرش تک بھرا ہی حسن
یار نے دل سے جو کہا مت پوچھ عشق بھی ہی ولے بلا ہی حسن
خندہ دریا ہی اور تبسم موج میری کشتی کا ناخدا ہی حسن
کیوں نہ دوں جاں بہاے یک جلوہ کہ بہت اُس کا جاں فزا ہی حسن

لاکھ اصغر ہیں آپ حسن پرست
پر جو کھل جاے عشق کیا ہی حسن

تاب نہیں فراق کی نالہ نہ لب پر آے کیوں مجھ میں بھرا ہی درد و غم سینہ میں دم سماے کیوں
جھوٹ تھا عہد بے وفا کیوں نہ کہوں میں برملا جب نہ رہا وہ راز و ناز بات کوئی چھپاے کیوں
میں نے کہا تو دل میں ہی کہنے لگا غلط نہ کہہ ہم تیرے دل میں ہوں اگر کین رقیب آے کیوں
وعدہ کی شب تو ہو چکی اب تو یہ پوچھ ای ندیم نعش پہ بھی نہ آئیں توجان بچے کوئی جاے کیوں
تم نے کہا ہی غیر سے حال مرا وگرنہ یوں ناز کرے اپنی چاہ کے ہو گئے جاے جلے کیوں
فکر زمانہ رنج و یاس آتش شوق و داغ ہجر چار طرف کے بول لم جھپکے کوئی اُٹھاے کیوں
شکوہ ہی اپنے بخت کا تو نہ خفا ہو دل ربا دل کہ رہا نہ کام کا جان کو بھی ستاے کیوں

شل ہوئے ہاتھ اُٹھے آمیں سے گنگ ہو زباں ۔ میری دعا کو اب اثر شرم سے منہ دکھائے کیوں

اصغرِ خستہ حال تو غم ہی کی شکل بن گیا
سوچ تو بزمِ عیش ہے وہ تجھے اب بلائے کیوں

کس دم نثارِ جان سے تجھ پر نہیں ہوں میں ۔ سچ ہے کہ بوالہوس کے برابر نہیں ہوں میں
اُس ہمتِ بلند پہ ہے تنگ ہی کی جا ۔ کیا ہوں میں گو سپہر سے کمتر نہیں ہوں میں
مت پوچھ دل سے اُٹھتے ہیں کس واسطے دھوئیں ۔ اے شعلہ رو کہ آتش و اخگر نہیں ہوں میں
تجھ کو ہے کچھ خبر بھی کہ تیرے فراق میں ۔ اے بے وفا قرار سے دم بھر نہیں ہوں میں
گر میرے خون کے بھی پیاسے ہوں یہ صنم ۔ للہ ہے سبیل کہ کافر نہیں ہوں میں
بیزار جان سے ہوں چلوں اُس کے سامنے ۔ سنتا ہوں کہتے ہیں وہ ستمگر نہیں ہوں میں
مجھ تفتہ جان کو بزم سے ناحق اُٹھاتے ہو ۔ ہرگہ ٹکے کی شمع سے کمتر نہیں ہوں میں
دکھیں نہ ہاتھ ذبح میں جلدی نہ کیجیے ۔ آخر تپاں تو کچھ تہِ خنجر نہیں ہوں میں
دل نے بھی سیکھ لی ہیں تمھاری سی شوخیاں ۔ وہ کون سی گھڑی ہے کہ مضطر نہیں ہوں میں
کیا کیا ہوا ہے وجد جب آیا ہے یہ خیال ۔ ہے مجھ میں کون میری جگہ گر نہیں ہوں میں

دھوکے میں نام کے یہ جفائیں نہ کیجیے
تم جس کو پوچھتے ہو وہ اصغر نہیں ہوں میں

غش سے اک لحظہ بس نجات نہیں ۔ موت سے کم مری حیات نہیں
یوں تو نا مہرباں نہیں ہو تم ۔ پر وہ پہلا سا التفات نہیں

بے وفا تیرے عہد کی مانند — اب مرے صبر میں ثبات نہیں
اشک سے تیرے تشنہ کاموں کے — کس گلی کوچہ میں فرات نہیں
میں ہی ملتا ہوں بے حیائی سے — پوچھتا وہ تو میری بات نہیں
نہیں کس دل میں وہ صنم ای شوخ — کونسا کعبہ سومنات نہیں
غم دنیا کو کار دل سو نہیں — ہم کہ تاب تفکرات نہیں

حج کرو اور یہ صرف زر اصغر
روپیہ حج نہیں زکوٰت نہیں

دوزخ کے کام کرتے ہیں سعی بہشت میں — الٹی قلم چلی ہی نہ بس سرنوشت میں
دیوانہ کونسا تری کو میں ہوا ہی خاک — وحشت بھری ہوئی ہی ہر اک سنگ و خشت میں
ہو گلشن خلیل گل داغ سے خجل — شعلے سے بارور ہیں شجر میری کشت میں
ہوں محو ناز کیونکہ نہ کھینچیں جفا سے ہاتھ — ای دل وفا نہیں ہی بتوں کی سرشت میں
کیا ہوتی سجدۂ در بت کی دعا قبول — سر آستان کعبہ پہ تھا دل کنشت میں

رکھو معاف شعر میں بھی نیک و بد ہو گر
اصغر تجھے تمیز نہیں خوب و زشت میں

کچھ دوں جواب لکھنے کی طاقت اگر نہ ہو — قاصد نہ بھیجیے گا اگر معتبر نہ ہو
نے شوق نے اثر نہ کسی جذب شوق میں — تم کو بری بنے جو نزاکت کا ڈر نہ ہو
غفلت ہی جاں ستاں تو ندامت ہی جاں فزا — ای کاش تیرے مرنے کی اس کو خبر نہ ہو

وہ دن گئے کہ لڑتی تھی سو ظالموں سے آنکھ
حسرت سے اب نگاہ کبھی چرخ پر نہ ہو

بس ای خروش آہ کہ طاقت نہیں رہی
دل پاش پاش ہی کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو

گرمی کی میری گریۂ سوزاں سے خو ہوئی
دوزخ سے اب تلافیٔ داماں تر نہ ہو

خانہ خراب شوق پھر اُس کو یہیں لے چلا
گھر کی نہیں ہی خیر وہ گر اپنے گھر نہ ہو

مرنا مرا علاج ہی ناصح سمجھ تو لے
کیوں دشمنی کرے وہ محبت اگر نہ ہو

آجاو خط سے پہلے کہ تم پر فدا کروں
وہ نقد جان جو اجرت صد نامہ بر نہ ہو

ہرجای پن سے اُس کے لیے سجدے جابجا
ایسا ذلیل کوی خدا در بدر نہ ہو

اصغر سے قطع کیجیے نہ دشنام غیر پر
مجبور تر نہ ہو کہیں معذور تر نہ ہو

یوں کبھی بے وفا نباہ نہ ہو
گہہ ستم بھی ہو گاہ گاہ نہ ہو

کوی ہوتی ہی خاطر آسودہ
جب تلک آسماں تباہ نہ ہو

بس ہی اتنی نگاہ لطف کہ اب
غیر پر لطف کی نگاہ نہ ہو

طعن فریاد روز داد ہی آہ
کب تلک کوی دادخواہ نہ ہو

محتسب یہاں سمجھ کے آنا دیکھ
میکدہ ہی یہ خانقاہ نہ ہو

مہروش ہی رقیب کے گھر میں
دن مرا کس طرح سیاہ نہ ہو

میرے رونے پہ مت ہنسو دیکھو
میرا نالہ عدو کی آہ نہ ہو

یا الٰہی نہ ہو شب مہتاب
بر میں جب تک وہ رشک ماہ نہ ہو

اُن سا نازک عدو کے گھر جائے
تم کو اصغر یہ اشتباہ نہ ہو

ولہ

وہ دن کہاں کہ پھر وہی راز و نیاز ہو
ابرام دل فزا و ستم جاں نواز ہو

ہے کیا ہی شیخ کو بھی مے و حور کا خیال
آخر ملک نہیں کہ ہوس ہو نہ آز ہو

پھر صبر کر لیا ہے فراہم اُمید نے
اچھا تو ہے جو اُن کو سر ترک و تاز ہو

وہ بھی حریف عشوۂ پی ہم نہ ہو سکے
سچ ہے اُٹھا سکے کوئی گر ایک ناز ہو

کچھ بھی مرے قدح میں بجز خون دل نہیں
ہم وہ شراب پیتے ہیں جو خانہ ساز ہو

اب آئے روز وصل کہ جائے شب فراق
یہاں ہوش ہی نہیں ہیں جو کچھ امتیاز ہو

زلف دراز پہنچ گئی ایڑیوں تلک
شاید کہ پائمال کوئی سرفراز ہو

وہ وہ دعائیں رشک میں کی ہیں کہ اے خدا
توبہ ہی گر قبول کا دروازہ باز ہو

اُن سے جفا پسند کو بھی آگیا پسند
اصغرؔ وفا ہے دل پہ نہ کیوں ہم کو ناز ہو

تم گالیاں دیا کرو ذلت ہی کیوں نہ ہو
سنتا ہوں کب کسی کی نصیحت ہی کیوں نہ ہو

کون آہ میری داد کو پہنچے شب فراق
ہے پائمال ناز قیامت ہی کیوں نہ ہو

ان ناتوانیوں پہ ہے مشکل عنان کشی
تاثیر بے قراری وحشت ہی کیوں نہ ہو

جو میں کہوں سو جھوٹ ہے جو تم کہو سو سچ
کین رقیب و لاف محبت ہی کیوں نہ ہو

اپنے سے ہے عداوت عاشق بھی دشمنی
بیداد چھوڑ دیجیے عادت ہی کیوں نہ ہو

اتنی ہی بیکسی کہ سمجھتا ہوں مغتنم
ہنگامۂ بلا و مصیبت ہی کیوں نہ ہو

شکر وفائے غیر پہ لڑنا ضرور تھا
میری طرح اُسے بھی شکایت ہی کیوں نہ ہو

اصغر امید حشر پہ کیونکر جئیں بھلا
مجھ سے پرے ہیں سب مری قسمت کہیں نہ ہو

شریک بزم بت بے سبب عتاب نہ ہو
مری خرابی کو اے مدعی شراب نہ ہو

صفائے رُخ سے نظر رُخ سے کامیاب نہ ہو
نہ ہو حجاب تو کیونکر مجھے حجاب نہ ہو

نہیں ہے ساتھ نہیں جان کچھ تو دے ساقی
پلا دے زہر ہی مجھ کو اگر شراب نہ ہو

فراق میں پی سکیں نہ بے قرار ہو دل
کہاں سے لاؤں میں وہ شے جو دستیاب نہ ہو

خدا کے سامنے کرنی ہے کچھ شکایت غیر
مزا ہے وہ بت کافر دم حساب نہ ہو

وہ اے دل آئے تو مضطر و لے رقیب کے ساتھ
رہین منت دعوات مستجاب نہ ہو

رقیب پس مدت پھری ہے چشم حبیب
الٰہی اب سے زمانہ کو انقلاب نہ ہو

ہیں بزم یار میں جاتا ہوں رشک سے ورنہ
کبھی بہشت میں دوزخ کا سا عذاب نہ ہو

چھپے ہے پردہ سے اے مہروش کوئی یہ حسن
ضیائے مہر کو جرم فلک حجاب نہ ہو

نہ چھوڑی ضعف نے طاقت بھی آنکھ اُٹھانے کی
تمھارے رُخ پہ نہیں ہے اگر نقاب نہ ہو

کہیں ہیں شیفتہ یوں اب میں کیا کہوں اصغر
یہ وہ غزل ہے کہ جس کا کہیں جواب نہ ہو

پھر کبھی منھ نہ غیر کا دیکھو
گر ہماری طرف ذرا دیکھو

خط رقیبوں کو کیوں دکھاتے ہو
میرے نامہ کا مدعا دیکھو

ناتوانی سے شوق کو کیا کام
مجھ سے دامن بھلا چھڑا دیکھو

غیر سچا ہے امتحاں میں یہی
پر ہمیں بھی تو آزما دیکھو

دیکھنا سر اٹھائیں گے ہم بھی
پاس تم غیر کو بٹھا دیکھو
نہیں آنکھیں لڑانے کی طاقت
اب ادھر تم نہ دیکھو یا دیکھو
کیا مرے خاک ہونے پر چشمک
گردش چشم سرمہ سا دیکھو
شک ہو گر اب بھی دل کے لینے میں
اپنی زلفوں کو تم ہلا دیکھو

دل دیا بت کو دیکھ کر اصغر
جو دکھائے تمھیں خدا دیکھو

دھیان میں لا زلف سیہ فام کو
کرتے ہیں رو رو کے سحر شام کو
محفل دشمن میں ہو وہ شعلہ رو
آگ سے لگے گردش ایام کو
مجھ پہ وہ ہنستے ہیں یہ روتا نہیں
غیر کی غیرت نہ رہی نام کو
گرمی بیجا سے تری ہوں کباب
کیا کہوں اپنی طمع خام کو
رشک سے کیوں خاک نہ ہوں میں وہ
لب سے لگاتے ہیں مے جام کو
جان گئی عشق کے آغاز میں
دیکھیں کہ کیا جائے گا انجام کو

وصل عدو سچ نہیں اصغر کہ یہ
تاب کہاں اس سمن اندام کو

ہم کو تو تم سے صلح ہو تم کو مصاف ہو
کیونکر بنے جو رائے میں یہ اختلاف ہو
ہاں چشم لا وہ گریہ جو بہتی پھرے زمیں
ہاں دل کر ایسی آہ کہ گردوں شگاف ہو
کس واسطے رقیب سے ہو نامہ و پیام
گر ہم سے صاف ہو تو جواب اس کا صاف ہو

افطار ہو جو مے سے تو ہے صوم کا مزا
معشوق ساتھ ہوئے تو کیا اعتکاف ہو

گر دل میں خون کم ہے تو یارب فزوں ہو غم
آخر مرے لیے کوئی وجہ کفاف ہو

طوف حرم کی خوبی میں کیا شبہ برہمن
یارب نصیب یار کے گھر کا طواف ہو

لطف کلام ہی سہی بوسہ نہ دو نہ دو
یہ بھی مزا ہے کہتے اگر لام کاف ہو

یہ چھیڑ دیکھ مجھ کو رُلا کے کہے وہ شوخ
جانے دو اب قصور ہمارا معاف ہو

روزِ وفا سے وعدہ خفا کیوں ہوئے کہ ہم
پہلے ہی جانتے ہیں کہ وعدہ خلاف ہو

اصغر کو رات دن ہے کسی کی کمر سے کام
کیوں کر نہ فن شعر میں وہ موشگاف ہو

تیری جبیں سی جب مہ نو کی جبیں نہ ہو
کس طرح پھر سپہر کو رشک زمین ہو

ناصح یہ ہم میں تم میں جو ہے شغل پھر کہاں
یہ کیا دعا ہے دہر میں کوئی حسیں نہ ہو

یہاں تم سے بدگماں ہیں زیادہ کہ غیر سے
الفت ہمیں یقیں ہو پہ تم کو یقیں نہ ہو

ممکن ہے اس کو دیکھ سکے مجھ کو نہ پیار آئے
کب ہو سکے وہ دیکھ کے مجھے خشمگیں نہ ہو

تیرے مریض غم کی یہ حالت ہوئی کہ اب
ہر دم یہ ہے گماں کہ دم واپسیں نہ ہو

ہجراں میں یہ دعا ہے کہ یارب کہیں مرا
ہووے وصال وصل میسر نہیں نہ ہو

چین جبیں سے یہاں تلک آیا ہے تنگ دل
جی چاہتا ہے زلف میں بھی تیری چین ہو

گرمی عدو سے بڑھتی ہے ہر روز کب تلک
تبخالہ زیر لب نفس آتشیں نہ ہو

کہتے ہیں ایک شخص کو زنداں میں لے گئے
یارب اسیر سلسلۂ عنبریں نہ ہو

اس کو میں آج قتل ہوا اک جوان ہائے
افسوس ہے ہمیں کہ وہ اصغر کہیں نہ ہو

نہ چھوڑونگا گو کج ادائی کرو / وفا چھوڑ دو بے وفائی کرو

اُٹھو طرۂ مشکبو بند ہو چکا / چلو میری عقدہ کشائی کرو

پڑا بندگی میں ہی در پر جہاں / تو گھر میں بیٹھو خدائی کرو

دم سرد آہ کرم آفریں / پھر اک بار زور آزمائی کرو

رکھو سابقہ کچھ نہ کچھ ہم سے بھی / بھلائی نہیں اب بُرائی کرو

مکدر نہ ہو خاک اُڑائیں نہ کیوں / رقیبوں سے جب تم صفائی کرو

مے و ساغر و یار و ساقی ہی، جلد / بس ای مطرب خوشنوائی کرو

وہ م آنکھوں میں ہی ہم نہ کہتے تھے کیوں
کہ اصغر نہ تم آشنائی کرو

پندگو وست ہی قیل و قال کو / تو بھلا کیا جانے میرے حال کو

جوش پر ہی گریہ لا ای چارہ گر / دامن دریا مرے رومال کو

بے ادب ہیں بے قرینے ہیں رقیب / منہ لگاتے ہیں تیری مہنال کو

حسرتوں سے ہوگیا دل پائمال / دیکھ کر اس بے وفا کی چال کو

زہر کھائیں رشک سے ہم سر بخت / سبزۂ خط چومتا ہی گال کو

دل گیا ہی عشق کی آمد ہی، جلد / تو بھی جا ای جان استقبال کو

آہ نکلی آیۂ ہذا فراق / ہم نے جب قرآن کھولا فال کو

ہی شب وصل آج میرے در سے دور / پھینک دو گھڑیالیو گھڑیال کو

دوستی کا حق ادا ہوتا ہی کب
کھو نہ اصغر مفت جان و مال کو

غیر سے ہم سخن سنوں تجھ کو
بے وفا آہ کیا کہوں تجھ کو

ڈر ہی تجھ سے تجھے نہ ایذا دے
دے چکا دل وے نہ دوں تجھ کو

اسی حسرت میں مند گئیں آنکھیں
کہ نظر بھر کے دیکھ لوں تجھ کو

اتنی کہیو زبانی اے قاصد
نہیں طاقت کہ خط لکھوں تجھ کو

ہم سیہ بخت خاک میں جو ملے
کیا ملا چرخ نیلگوں تجھ کو

مر گیا غیر میری حالت دیکھ
مرحبا طالع زبوں تجھ کو

نہ گئی یار کی سیہ چشمی
آگ لگ جاے اشک غل تجھ کو

ہیں پس مرگ حسرتیں کیا کیا
دیکھ لاشے ہیں سرنگوں تجھ کو

گھر میں بھی ہی ہجوم تنہائی
آہ کس جا بلا سکوں تجھ کو

اُس پری سے وصال کا ہی خیال
کہیں اصغر نہ ہو جنوں تجھ کو

حسن کی عشق سوداگری بازار نہ ہو
زلف کیا مول لے دل کو کہ خریدار نہ ہو

دل بچھائیں گے تری رہ میں کہ فرش آئنہ کا
مثل بلقیس کہیں تجھ کو سزاوار نہ ہو

شکر کیونکر نہ کروں محو جفا ہوں ناصح
ہاں گلہ ہووے جو وہ بے سبب آزار نہ ہو

گھر تو برباد ہی مدت سے ولیکن تجھ بن
سر کو ٹکراتے ہیں کیونکر در و دیوار نہ ہو

ہوں میں وہ صید کہ گر چھوڑ دے صیاد مجھے
ہی یقیں دام میں پھر کوئی گرفتار نہ ہو

آگے اُس بت کے اگر حور کو دیکھوں واعظ
آنکھیں پھوٹیں مجھے اللہ کا دیدار نہ ہو

ہی بہت غیر سبک وضع یہ کیا باعث ہی
کہ تری خاطر نازک پہ ذرا بار نہ ہو

بے ریا کفر سے توبہ کرے اصغر توبہ
سجے کے پردے میں کیا ذکر کہ زنار نہ ہو

یوں میرا وفا سے جی برا ہو | اے اُس کی جفا ترا بھلا ہو
تو مجھکو ملے، ملے عدو کو | کونین میں جو ترے سوا ہو
شکوے میں نباہ کے کہا آہ | جی میں جو نہ ہو تو کیوں نباہ ہو
اے دشمن جاں تجھے مبارک | دل جبکہ نہ میرے کام کا ہو
کیا قہر ہے عشق کی غیوری | میں دل سے ملا نہ پھر جدا ہو
دل میں پھرتا ہے چارہ گر یار | یہ داغ کہیں نہ نقش پا ہو
آزادی دو جہاں میں ہوں قید | اے عشق یہ بند بھی رہا ہو
آئینہ کا دیکھنا دکھا دوں | قابو میں مرے جو دل ذرا ہو
ہم کو تو یہ دشمنی بہت ہے | تم چاہو کسی کو یا نہ چاہو
کیا اُس کو بلاوں خواب میں آہ | ڈر ہے دشمن نہ جاگتا ہو

بندہ ہے وہ اے بتو تمہارا
اصغر سے کس لیے خفا ہو

سو بار گرچہ صبح زمانے کی شام ہو | بن اُس کے آئے کب شب ہجراں تمام ہو
آنکھیں ہیں لال نیند سے طوفان مت اُٹھا | تجھ بن شراب پی ہو تو مجھ پر حرام ہو
وہ کیا کہ فرط شوق سے میں بھی نہنگ ہوں | گھبرائے کیوں نہ جی جو بہت اژدہام ہو
اُس بت کے آنے کی ہے خبر میری نعش پر | تا حشر کیا نماز ہو کیا اذن عام ہو
بوسے سے ہے سوا تری دشنام کا مزا | مجرم نہ کیوں ہو کوئی جو یہ انتقام ہو
دل گرمی رقیب چھپاتے ہو کیا ہمیں | اے شعلہ رو جلے بھی اگر کوئی خام ہو
ناکامی اُمید پہ کب تک جیے کوئی | اے آہ کام دل نہ ہو میرا ہی کام ہو

یوسف کو مول لیکے زلیخا ہی کنیز
ہم لوگ زر بھی دیں تو نہ صاحب غلام ہو

عنقا صفت نشاں نہ ملے پھر تو چاہیے
زیر فلک اگر کوئی جویائے نام ہو

اصغر دعا ہی آٹھ پہر چار چیز کی
ابر بہار و یار کی و دور جام ہو

گر دیکھ لیں اُن سے مقتدی کو
سجدے میں ہو غش امام جی کو

جادو ہی نگاہ میں بتوں کی
اللہ بچائے آدمی کو

ای ماہ اگر ہو تو خریدار
بیچے ابھی چرخ مشتری کو

دعوی کرے تم سے ہمسری کا
ایسا تو جنوں نہیں پری کو

ہوئے گا معاملہ بھی فیصل
سونپا انصاف آپ ہی کو

ایسے کا ہو کس طرح تصور
صورت نہ دکھائے جو کسی کو

دل مفت ہی لو ولے نہ دو داغ
ملتا نہیں لاکھ اشرفی کو

ہم سا مظلوم لا کے ای چرخ
پھر اُن کو دکھا برابری کو

تو شوق سے دشمنی کیے جا
حاضر ہوں ابھی میں دوستی کو

ہی صرف ذرا سا نقد جاں کا
کیا چاہیے اور عاشقی کو

تھا جذبۂ دل پہ بد ظنی سی
بھیجا اُس تک نہ اجنبی کو

واعظ سے جو گزری شب نہ پوچھو
کہتا تھا گناہ مے کشی کو

آخر کو نہ رہ سکا میں اصغر
لازم ہی تمیز آدمی کو

دیکھنا اِس لذت آزار کو — پاؤں سے دل میں چبھویا خار کو
اُس سنے گو جیتا نہ چھوڑا ہم نے پر — اپنے جیتے جی نہ چھوڑا یار کو
یوں جلانا ہم کو کچھ اچھا نہ تھا — آگ لگیو آہ آتشبار کو
کھل گیا سب راز جب سے خامشی — ایک لب گویا ہوئی اظہار کو
زخمِ جاں مژدہ کہ دل کا پی کے خوں — لگ گیا لوہو لبِ سوفار کو
خاکساری ہی پسندِ ہر بلند — دیکھ غافل سایۂ دیوار کو
یاد ہی پینے میں اُس کی چشمِ مست — دھیان ہی میخوار کا میخوار کو
نغمہ سازِ رگِ جاں نالہ ہی — رخنہ زن ہی ناخنِ غم تار کو
کی تسلی غیر کی پر خوش ہوں میں — دل دہی تو آ چلی دلدار کو
یاس و غم اندوہ و درد و آہ و سوز — یار پایا تو اِکٹھیں دوچار کو

مرحبا اصغر کہ دل کا کام ہی
کھینچنا اس ضعف میں آزار کو

عیشِ عہدِ رفتہ کی برسی ہی ماتم کیوں نہ ہو — ہجر میں عید اب کے آئی ہی محرم کیوں نہ ہو
کب نہ بجھے آبِ بقا سے پیاس اپنی ای خضر — دے کہیں سے لا کے جو آمیزشِ سم کیوں نہ ہو
لاشِ دشمن پر بھی اپنا تو جگر پھٹتا ہی آہ — اب تو دل سے دوست کا صدمہ ہی یوں غم کیوں نہ ہو
صبح شامِ وصل ہی ظالم نے مجھے ملزم نہ کر — جبکہ ایسی عیش کی حسرت ہو یہ غم کیوں نہ ہو
کیوں جلائے کوئی ہم کو شعلۂ دل ہی سہی — کیوں ڈبوئے کوئی ہم کو دیدۂ نم کیوں نہ ہو
ہو ہی آبِ انفعال جامِ چشمِ مست سے — تیرے آگے گردنِ مینا نے ہی خم کیوں نہ ہو
خط نہ ہم سے لکھتے نہ کھلتا حالِ دل غیروں پر آہ — پر جو قسمت کا لکھا ہووے وہ ہمدم کیوں نہ ہو

تجھے گوارا دل کے خوش رکھنے کو غم کونین کے
اب مجھے یہ حسرت عیشِ دو عالم کیوں نہ ہو

دل میں نام اُس بُت کا صغرؔ اور لب پہ یا خدا
کارگر کیا ہووے کافر اسمِ اعظم کیوں نہ ہو

ہر آن اپنی آن نہ اے رشکِ ماہ دیکھ
مت پوچھ بار بار کہ ہوتی ہے چاہ کیا
جاتا ہے ایک مضطرب آتا ہے دوسرا
آسان نہیں کہ کوئی نباہے مری طرح
وصلِ صنم تو ہو نہ سہی جور اے خدا
جلتا ہے جی کہ ابرِ کرم خشک ہو گیا
خس مجھ سے وحشتِ چشمِ پیدن نہ اٹھ سکا

میری نگاہ شوق کو بھی اک نگاہ دیکھ
تو آپ بے وفا ہے مجھے یکچند چاہ دیکھ
اے رشکِ ماہ و خور تجھے خورشید و ماہ دیکھ
باور اگر نہیں تو ذرا تو نباہ دیکھ
اپنے کرم کو دیکھ نہ میرے گناہ دیکھ
کچھ قصہ شعلہ ہائے فلک سوز آہ دیکھ
ہے جسم زیرِ کوہ تہِ برگ کاہ دیکھ

شامِ شبِ فراق تو اصغرؔ نہ جان دے
آنے کی اُس کے صبح تلک اور راہ دیکھ

غیر یوں پھرتے ہیں اس مہر لقا کے ہمراہ
دیکھ الفت کہ نہ چھوڑا نے مجھے اُس تے تنہا
ہے یقیں یہ کہ اُسے نعش پہ لائی تاثیر
تم نہ آئے پر اس اُمید پہ تکتے ہی رہے
واں گزرتی تھی اک آرام سے بے چین کیا

جس طرح بے اثری میری دعا کے ہمراہ
اپنے کوچے سے نکالا تو قضا کے ہمراہ
جان نکلے ہے مرے تن سے دعا کے ہمراہ
شام سے صبح تلک تم کو بلا کے ہمراہ
میری ہستی نے عدم سے مجھے لا کے ہمراہ

رنج ہوتا ہے ترے رنج سے کیا نالہ کروں
ہائے اس غیرتِ ناہید کی ٹھوکر دم رقص

اثر آتا ہے فلک سے تو بلا کے ہمراہ
جاں نکل جاتی ہے بس جنبشِ پا کے ہمراہ

ہے پسِ مرگ بھی اصغرؔ مجھے یہ غم کہ وہ کیوں
روتے جاتے ہیں ہمارے ورثا کے ہمراہ

کھو دیا عشق میں جان و دل و تن کیا سب کچھ
اختیار اپنی اجل پر تو نے دینا تھا
کھل گئی مجھ پہ ترے دل میں جو تھی الفتِ غیر
مال و زر صبر و خرد تاب و تواں الفت ہیں
کیا سمجھتے ہو جفا کو بھی تم اغیار کا حق
جو ہوا بوالہوسوں پر ستم جاناں سے
ہجر میں رنج و تعب وصل میں آرام و طرب
میں اور اس سے نہ ملوں سر نہ پھرا اے ناصح
بخشش و بیگا مرے عصیاں کو اسی کے تو ہیں کام

پر وہ دل جائے تو ہم جانیں گے پایا سب کچھ
گر دیا تھا مرے دشمن کو خدایا سب کچھ
تھا جو پردہ میں وہ مجھ کو نظر آیا سب کچھ
کھو دیا ہم نے خدا نے تو دیا تھا سب کچھ
حق وفا کا مرے تم بھول گئے کیا سب کچھ
کاش میرے ہی مقدر میں وہ ہوتا سب کچھ
جو غرض عشق میں ہوتا ہے وہ دیکھا سب کچھ
جو تو سمجھائے گا بس ہم نے وہ سمجھا سب کچھ
نیک و بد جس نے زمانہ میں بنایا سب کچھ

دل و دیں نازِ صنم اصغرؔ بے دیں افسوس
جو خدا کا تھا بتوں کا وہ تو سمجھا سب کچھ

کی جستجو بہت تو وہ دشمن کے گھر ملے
کچھ ابکی جوشِ نازہے وہاں یاں ہجوم یاس

کھو آئے جاں گئے تھے کہ دل کی خبر ملے
یوں تو وہ ہیں بہشت ترے ہم بیشتر ملے

ہو کچھ تو عمر روز جزا اور بھی دراز
اللہ کلم ہو داوری جس قدر ملے

پوچھیں گے اپنے ہم دل گم گشتہ کا سراغ
صحرا نوردیوں میں کہیں گر خضر ملے

ہم اور شب وصال و صبوحی، مجھی کو شیخ
روز جزا ثواب دعائے سحر ملے

گر ہو امید وصل تو پوچھوں عدو سے وہ
کس بات پر خفا ہوئے کس بات پر ملے

دنیا و دیں تو کیا جو ترے دل میں جا ہو
دونوں جہاں سے جاؤں ٹھکانا اگر ملے

یہ بھی کچھ امتحان ہے ظالم جہان میں
بیداد کا نشان نہ وفا کا اثر ملے

جوش خلش سے تنگیٔ عالم کا چارہ کر
اے دل بلا سے خاک میں اپنا بھی گھر ملے

پھرنا تو اُس گلی سے ہے مشکل پر اپنا حال
لکھنا جو نامہ بر کوئی آنا مہ بر ملے

تمکین حسن ہے کہ میں کچھ بھی نہ کر سکا
تقدیر بو الہوس کہ جو وہ آنکر ملے

ہے کیا وسیع کوچۂ جاناں کہ دل سے ہم
ایسے جدا ہوئے کہ نہ پھر عمر بھر ملے

اصغر کہاں جہاں میں خریدار دین و دل
کوئی اگر ملے بھی تو ہاں مفت بر ملے

جلا جی نامۂ آتش فشاں سے
کہ مجھ پر آگ برسی آسماں سے

ہوئے تم شوخیٔ ہر دم سے مجبور
مجھے ہر بار صبر آئے کہاں سے

ہمارے خاک ہو جانے کا احوال
کبھی پوچھا تو ہوتا پاسباں سے

عدو کے گھر میں تم نے پاؤں رکھا
کہ میں نے ہاتھ اُٹھایا خانماں سے

اثر کو بھی جلایا سوز دل نے
فلک پر خاک اُڑتی ہے فغاں سے

نہ کی خود بیں نے بازی اور شب وصل
گلہ ہے اس کے ناز جاں ستاں سے

پئے تشہیر آئے نعش پر وہ
میں سمجھا تھا کہ چھوٹا امتحاں سے

نہ دیکھا طول سے اس نے مرا خط
سبک سب میں ہوئے شوق گراں سے

عدو سے ہم سخن ہو وہ بیاں میں تم
کہے دیتی ہے خاموشی زباں سے

کہا سن ہرزہ گردی کی شکایت
ترا ہے کون ای اصغر جہاں سے

اب ملیں گے وہ اگر یوں بھی قضا آتی ہے
خانۂ قبر سے رونے کی صدا آتی ہے

حسرت مرگ شب تفرقہ کیا آتی ہے
تن میں جاں آتی ہے جب جاں پہ بلا آتی ہے

کب سے بے جرم شہیدوں کا ہے مدفن ظالم
جب ترے کوچہ سے جنت کی ہوا آتی ہے

غم نہ کر کچھ نہیں تشویش کی جا ای ناصح
کہ فریب اُس کو تو مجھ کو بھی دُعا آتی ہے

سنگ صفت اہل ہوس کو نہ کہوں کیونکر
پھر کے اُس کوچہ سے تاثیر دعا آتی ہے

حسرت پس روی تا قد نے پامال کیا
پاؤں چلتے نہیں اور بانگ درا آتی ہے

شاد ہوں بوالہوسوں سے نہ ملے گا دل یار
بو محبت کی جو باتوں میں ذرا آتی ہے

منہ دکھایا دم آخر بھی نہ آکر اُس نے
شرم آئی نہ یہ کہتے کہ حیا آتی ہے

نزع کے حال میں گزری ہے مری عمر افسوس
نہ تو رحم آتا ہے اُس کو نہ جفا آتی ہے

تو شب ہجر سے واقف نہیں کیا ای واعظ
یہ بلا روز قیامت کے سوا آتی ہے

ہر سخن پر وہ بگڑتے پہ بگڑنے نہ دیا
اصغر آفت ہے غضب بات بنا آتی ہے

کیوں عدو سے پیام ہوتا ہے
کہ مرا یوں بھی کام ہوتا ہے

لاکھ یوسف کہوں اُسے لیکن — کب وہ میرا غلام ہوتا ہی
کوُٹے جاناں سے جب میں جاتا ہوں — ہر قدم پر مقام ہوتا ہی
محتسب گر دمکدہ ہی خراب — ابھی یہاں دورِ جام ہوتا ہی
پھر وہ چپ رہنے کے دن آتے ہیں — ہر کسی سے کلام ہوتا ہی
آنکھیں تاروں کی نیچی ہوتی ہیں — جب وہ بالائے بام ہوتا ہی
کرکے پامال پھر نہ آن پھرے — یوں ہی ای خوش خرام ہوتا ہی
مے چھٹی خونِ دل پڑا پینا — وہ بھی واعظ حرام ہوتا ہی
اب کوئی خاک جان پر کھیلے — کہ وہاں قتلِ عام ہوتا ہی

ہی جو الفت کا کچھ اثر اصغر
وہ کوئی دن میں رام ہوتا ہی

منظور بسکہ مجھ کو خلافِ رقیب ہی — بختِ زبوں سے خوش ہوں کہ وہ خوش نصیب ہی
سُن سُن کے میرے حال کو کہنے لگا وہ شوخ — ہر چند جھوٹ ہی یہ فسانہ عجیب ہی
کیا جانیے کہ صبح کہاں جاکے چھپ رہی — شکلِ شبِ فراق نہایت مہیب ہی
ہی اک ذرا اُمید عیادت سو یہ کہاں — بدخواہ کس لیے تو مرا ای طبیب ہی
بے عیب جز خدا کوئی عاشق نہ دلربا — تیری تو خو بُری ہی ہمارا نصیب ہی
بیداد میں امید وفا بعدِ امتحاں — جو بات ہی تری سو غرض و لفریب ہی
کیونکر نہ ہووے جامۂ صد پارہ پُر بہار — دیوانہ اُس کا ہوا جو بہت جامہ زیب ہی
تاثیر کی اُمید ہو تو فکرِ وصل کیوں — میں اپنے چین سے ہوں کہ دل ناشکیب ہی
بیتاب دیکھ کر مجھے کہنے لگا وہ شوخ — ہم تو یہ جانتے تھے کہ اصغر غریب ہی

ستم چھپائیں جو ہم انتظار کے بدلے
بلا سے موت ہی آجائے یار کے بدلے

ملا ہے روز قیامت کہ ہم شب غم میں
عذاب اٹھا چکے روز شمار کے بدلے

نہ لوٹتے ... ارادہ ایکے کاش کریں
وفا نہ کر سکا وعدہ قرار کے بدلے

خیال خوب نہ ہو جب چلیں غیر کے ساتھ
ہزار رنگ ہیں رخ شرمسار کے بدلے

پس وہ دل جو پڑا نہ گڑ ہاں کر اٹھتے ہیں
ہماری خاک سے شعلے غبار کے بدلے

تمہارے غم جدائی ہی کوئی وصل میں وہ
پلا دے زہر مے خوش گوار کے بدلے

سر شب جیب تو جوش جنوں میں توڑتے ہیں
نفس کا تار گریباں کے تار کے بدلے

ہمارے پہلو میں نیرنگ عشق سے اصغر
ہی یاس اب دل امیدوار کے بدلے

منظور انکھیں چھیڑ گر نہ ہووے
یوں لطف رقیب پر نہ ہووے

اس مست کو محتسب سزا کیا
اپنی جسے کچھ خبر نہ ہووے

کیا دیوے جواب خط وہ تو خط
جاں بر ہی جو نامہ بر نہ ہووے

ای شوق میں کیونکر اس کو دیکھوں
ہی وہم کہیں نظر نہ ہووے

جب جانیں کہ ای کشاکش شوق
آزردہ وہ آن کر نہ ہووے

الفت میں تپش ہو پیدا نہ اتنی
تسکین ہی عمر بھر نہ ہووے

ساماں کے ساتھ ہی خرابی
سر کھوئیں کہ درد سر نہ ہووے

دل دینے کا فائدہ تو معلوم
اصغر ہی کا ضرر نہ ہووے

خون امید شہادت ہوگی
مانع قتل نزاکت ہوگی ؞

وہ کہینگے کہ ستم اُٹھ نہ سکا
بعد مردن یہ مصیبت ہوگی ؞

اپنی حالت پہ ہنسینگے ہم آپ
کبھی رونے سے جو فرصت ہوگی ؞

ابھی آئے ہو ٹھہر کر جانا
پائے نازک کو اذیت ہوگی ؞

کچھ تو ہی دل میں کہ ہوں میں بیتاب
گر تمنا نہیں حسرت ہوگی ؞

خاک کرنے سے مرے چرخ کو کیا
کچھ اُسی بت کو کدورت ہوگی ؞

ہی گراں ذکر اطبا بھی مجھے
اور کیا ضعف کی شدت ہوگی ؞

حشر میں گر وہ ستمگر آیا
اور اک تازہ قیامت ہوگی ؞

دیکھ آئینہ کہا حیراں ہو
ایسی یوسف کی بھی صورت ہوگی ؞

ملو اصغر صنموں سے ابھی عمر
ہی بہت صرف عبادت ہوگی

تم پہ مرتا ہی کہانی میری
غیر سیکھا ہی زبانی میری

گھر کیا یار نے دل میں تو بھی
نہ گئی دل نگرانی میری

فلک پیر نہ لایا اُس کو
ہو گئی خاک جوانی میری

لے گئی سوئے عدم یاد کمر
بے نشانی ہی نشانی میری

تم میرے حال پہ ہنستے کیا ہو
ہی ستم اشک فشانی میری

کوے پر آنے سے اُن کو کیا کام
ہی مگر خاک اُڑانی میری

ضعف سے ہل نہیں سکتا گویا
سبکی بھی ہے گرانی میری

دل کی باتوں نے بنا دی جاں پہ
کیا کہوں ایک نہ مانی میری

دیکھیے جو کوی نظر جل جائے ✽ دیکھنا سوختہ جانی میری

چپ لگی یاد ہیں اس کی اصغر
ہائے وہ شیوہ بیانی میری

خط جب آیا کہیں وحشت تری تغیر ہوئی ✽ بارے مدت میں مری آہ کی تاثیر ہوئی
دیت خوں مجھے بس نعش کی تشہیر ہوئی ✽ عبرت غیر کو کافی یہی تعزیر ہوئی
وہ خفا میرے منانے کو ہوسناک سے ہی ✽ کس سے تقصیر ہوئی اور کسے تعزیر ہوئی
ناصحا اب تو نہ بک تو کہ کروں یار کا ذکر ✽ خبر دو چار گھڑی تجھ سے بھی تقصیر ہوئی
میری فریاد کو واعظ نہیں سننا گویا ✽ میری آواز بھی آواز مزامیر ہوئی
ناتواں میری طرح سے تو نہ تھی جبرائیل ✽ کہ یہاں آنے میں کیوں موت کو تاخیر ہوئی
ایک سے دونوں ہیں نیکی کی امید ان سے غلط ✽ تیری عادت ہوئی ظالم مری تقدیر ہوئی
بن گئی روزِ جزا خوف سے نالوں کے مرے ✽ زنگت از بس کہ شب ہجر کی تغیر ہوئی

نہ ٹھہرتا میں سلاسل میں کبھی پر اصغر
ناتوانی ہی مری پانوں میں زنجیر ہوئی

وفا کی جس قدر اس نے جفا کی ✽ جفا گویا شکایت تھی وفا کی
اسی دم میں وہ آجائے تو آجائے ✽ ہوا باندھی ہی آہ نارسا کی
رہی یاں تیرے رونے سی شب غم ✽ ہمیشہ صبح عالم میں ہوا کی
فلک لائیگا اس کو رحم پر اب ✽ کہ مجھ کو ہو گئی ہی خو جفا کی

بلائیں روز محشر کو شب غم
اگر ہو بات اس میں مدعا کی

قلق سے دل کے آیا ناک میں دم
کہاں ہیں شوخیاں ناز و ادا کی

بگڑنا غیر کے آتے ہی کیا تھا
بن آئی بات بس اُس بے وفا کی

سمجھتا ہوں بہانے سیر گل کے
چلے ہیں خاک اُڑانے کو صبا کی

ہوئے ناخوش تپاں دیکھا جو مجھ کو
خدنگ غمزہ نے گویا خطا کی

اُٹھائے ہاتھ یوں روتا ہوں گویا
اُٹھی تاثیر دنیا سے دعا کی

دماغ شعر خوانی کس کو اصغر
اگر شورش یہی ہے مرحبا کی

وفا کی جان کو روؤں کہ اپنی جاں کے لیے
ستم عدو کے لیے ہے نہ امتحاں کے لیے

ہیں فرط شوق سے مجبور تھا شب وصل اور
اُنھیں یہ رنج کہ بدلے غم نہاں کے لیے

ستم ہے میں دل خوں گشتہ کا کروں ماتم
نشاط عید ہو مژگان خونچکاں کے لیے

اثر سے نالہ سے لیتے ہیں کام کیا کیا کچھ
نہ کیوں کہ جان لیے جائے ارمغاں کے لیے

عدو کا سینہ جو پھٹتا تو خوب تھا افسوس
کیا کس آہ کو برباد آسماں کے لیے

بنا اک اور فلک دود دل کہ شام فراق
بلائیں کچھ تو زیادہ ہوں میری جاں کے لیے

نشاں وہی پئے صیاد اگر نہ ہو منظور
کسے دماغ کہ لائے خس آشیاں کے لیے

ہوس قبول جو ہر حال میں ہو شیوۂ ناز
میں اور خاک ہوں غیروں کے امتحاں کے لیے

وہ بوسہ دیں ہمیں آب بقا سے کیا اے خضر
مرے پہ مرتے ہیں نہ عمر جاوداں کے لیے

رگڑنے پائے نہ اُس آستاں سے سر ہر چند
جھکے فریب سے پابوس آستاں کے لیے

ہیں قتل عام سے اس کے ہوں شاد شاد اصغر
کہ رحم اثر نے رکھا ہے مری فغاں کے لیے

یاد ہے کس شوخ کی کیوں بے قراری ہوگئی — زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی
حسرت بوئے گل اندام آپ کو بھی ہے کہ یوں — باعثِ دلبستگی بادِ بہاری ہوگئی
روتے ہو منہ ڈھانک کر کس کی ہنسی کی یاد میں — پردہ در یہ آپ ہی کی پردہ داری ہوگئی
وضع کس کی بھائی جو طرز آ گئی میری پسند — کیوں وفا تم کو جفا سے بھی پیاری ہوگئی
رو پڑے کچھ سوچ کر تم زار بلبل کی طرح — سب عیاں گل رو کہے سے دلفگاری ہوگئی
مل گیا اے جاں کہاں سے تم کو تم سا بے وفا — زندگانی کیوں ہماری سی تمہاری ہوگئی
ہیں زباں زد شعر درد آلودہ کس کے غم میں کیوں — نغمہ سازی حیلہ بہرِ آہ و زاری ہوگئی
گر اٹھے بیتابیِ دل سے تو بیٹھے بھر کے آہ — کیا ہوا یہ کیوں نزاکت تم پہ بھاری ہوگئی

کی تلافیِ ستم عاشق ہوئے وہ اور یہ
ہم سے اصغر دشمنی گردوں پہ بھاری ہوگئی

کیا برا تھا آ کے تم گر میرا مرنا دیکھتے — دیکھ لیتا میں تمہیں اور تم تماشا دیکھتے
ہاتھ واں جمتے نہیں کیونکر نہ لوٹیں خاک میں — یوں نہ کرتے آہ گر کچھ بھی سہارا دیکھتے
کون دیتا پھر یہ طعنِ ناشکیبائی مجھے — آئینہ میں گر کبھی تم حسن اپنا دیکھتے
ہجر میں گھبرا گیا جی دل کے لگتے ہی اگر — مر گئے ہوتے تو کیوں دکھ زندگی کا دیکھتے
شمع کو ناچار بزمِ وصل میں گل کر دیا — ہم سے کب ہوتا کہ پروانے کو جلتا دیکھتے
جوشِ گریہ سے ہوا تاریک نظروں میں جہاں — ہم اگر ہوتے بھی اس محفل میں تو کیا دیکھتے
روزِ روشن دیکھنا ہوتا مقدر میں تو ہم — خواب میں بھی جلوۂ خورشید سیما دیکھتے
دشمنِ جاں تھی نگہبانی کہ آنکھیں پھر گئیں — اس کو سوئے غیر جو آنکھوں سے دیکھا دیکھتے
بوالہوس اور لافِ جذبِ دل غلط کچھ بات ہے — گر نہ تھا باور تو میرے پاس تم آ دیکھتے

نعش پر آکر ہوا وہ نعرہ زن اور اشک ریز — ہائے گر اور ایک دم جیتے تو کیا کیا دیکھتے

دل تو گھبراتا ہی اُس بن پر تسلی کے لیے
تم تو اصغر اور ہی شغلوں میں بہلا دیکھتے

اے بدگمان ترک وفا کا گمان ہی — دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی
غیرت کی جا ہی حال مرا کیوں نہ شاد ہو — دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی
ہم بھی کسی سے اب نہ نباہیں گے بے وفا — جو تیری آن ہی وہی اپنی بھی آن ہی
ہی آہ بے اثر سے یہ درد و بلا کا جوش — جو دود میرے دل سے اُٹھا آسمان ہی
الماس ریزے زخم میں ہیں کس قدر بھری — ہیرا افزار کیا ہی کہ ہیرے کی کان ہی
اس مہروش سے کہہ نہ سکے گاہ سوزِ دل — کہنے کو مثلِ شمع ہماری زبان ہی
اے آہ رحم چاہیے تجھ کو کہ چرخ کے — وردِ زبان غلغلۂ الامان ہی
خانہ خراب عشق کا اعزاز دیکھنا — کہتے ہیں وہ مقام ترا لامکان ہی
فرصت میں یاد وصل سے سینہ ہی داغ داغ — گویا یہ عیش رفتہ کے پا کا نشان ہی

ہرجائی ہی وہ شوخ اُٹھا ہاتھ جان سے
اصغر یہ دوستی ہی تو دشمن جہان ہی

شاد ہوتا ہو تو پھر قتل کا غم بھی بس ہی — زندگی مرگ طرب کو کوئی دم بھی بس ہی
عرض پابوس میں خوں گردنِ جاناں پہ ہوا — سرفرازی کے لیے بخت دژم بھی بس ہی
نقد جاں عشق میں کیوں کھوئیں کہ اصغر پئے عشق — یہ تو اک چیز ہی ایثار درم بھی بس ہی

پھر آنے کی ٹھہری صنم عربدہ جو کی	دل میرے پھرے پھر گئی تقدیر عدو کی
رنگ مئے نوشیدہ نظر صاف ہی آتا	تشبیہ ہی شیشہ سے بجا تیرے گلو کی
تن میں طرب قتل سی آئی تھی ابھی تو	ٹپکی جو یہ خنجر سے ترے بوند لہو کی
دل رشک کی گرمی سے جلے کیونکہ نہ میرا	ظالم سبب گریہ ہی گرمی تری خو کی
برہم ہوئے کیا کاکل خمدار تمھارے	جب غرض پریشانی دل یکسر مو کی
ہمسایوں کے دکھ دینے سے حاصل دل ناداں	سننے کا نہیں وہ بت مغرور کسی کی

دل میں لیں تو یہ ہوس آئی نہیں اصغر
اور آئی ہی گا ہے تو وہی جام و سبو کی

نہیں امید اثر گرچہ اک ذرا پر ہی	فلک کو پھونک کے اب نالہ پھر ہوا پر ہی
دل شوق ہو ظالم کہ کہہ نہیں سکتا	خموشی اپنی دلیل اپنے مدعا پر ہی
نگاہ گرم سے اُن کے جلا ہی دشمن اور	انھیں گمان مری آہ شعلہ زا پر ہی
نہ تن کا ہوش نہ جاں کا نہ ہوں میں آپ میں آہ	دل آگیا کسی بیگانہ آشنا پر ہی
ہوئی ہی مرگ جو اس رنج زیست پر دشوار	یقیں وفا کا اب اس شوخ بے وفا پر ہی
نہ کیوں کہ جامۂ ہستی فنا کروں ہی ہی	عدو کے خون سے چھینٹ آپ کی قبا پر ہی
ہزار خوں ہوں جگر لیک کہہ نہیں سکتا	نہ بے وجہ مجھے شک حسن بے حنا پر ہی

خود آگیا تری حالت پہ رحم اُسے اصغر
عبث ہے ناز تجھے طالع رسا پر ہی

دشمن سے مجھے مائل وفا ہی	شاید اُسے کچھ اثر ہوا ہی

بے عشق محال زندگانی
جو درد ہو یاں وہی دوا ہی
رکھ شوق سے اپنی زلف میں تو
ظالم مرا دل بھی اک بلا ہی
کس آس پہ میں بھی اُس کو چھوڑوں
جو ہی سو جہاں میں بے وفا ہی
خنجر اس نازکی پہ نکلا
کیا یہ بھی عدو کا مدعا ہی
اے آہ فلک شکن مبارک
طالع کا عدو کو آسرا ہی
مرتا ہوں کہ اس طرف نہ دیکھا
میری اجل آپ کی حیا ہی
گر شعر میں وصل کا ہو مضمون
کہتا ہی وہ شوخ رونما ہی
تھا یا رہی دل میں اور نہ پہنچا
نالہ اپنا جو نارسا ہی
جس درد کی ابتدا اجل تھی
کیا اُس کی قیامت انتہا ہی

کیا آج بگڑ گئی صنم سے
اصغر لب پر خدا خدا ہی

شوق بیجا ہیں ناز اُٹھانے کے
ہم کہاں بعد آزمانے کے
محتسب سنگسار کو میرے
لانا پتھر شراب خانے کے
تیرے دامن میں آکے غنچہ و گل
پیرہن میں نہیں سمانے کے
تھا یہی شکوۂ صنم کا جواب
کہ تمہیں اب نہیں ستانے کے
ہم تو سو بار جی سے جائیں ولے
تم نہیں ایک بار آنے کے
جذب دل لاخلاف وعدہ کے بعد
کہ بہلانے سنوں بہانے کے
صاف ہو تم تو کچھ نہیں عاشق
اپنی ہم خاک میں ملانے کے
سر جدا تن سے ہو گیا اصغر
لطف دیکھے یہ دل لگانے کے

شکوۂ ہجراں راس نہ آیا کھل گئی وصل دشمن کی
ہم نے جب تمہید اٹھائی اُس نے نیچی گردن کی

قبر عدو پر پھول چڑھائے لا کر کوئے جاناں سے
بادِ صبا نے خاک اُڑائی خوب ہمارے مدفن کی

کیوں نہ اُٹھائے اُس کے اثر سے رنج قفس کا اے ہمدم
ملتی ہی شورِ مرغِ چمن میں ہے صبح ہمارے شیون کی

غیر سے وہ بے وجہ ملا کب جھوٹ کہا یہ جس نے کہا
پھونک نہ دیتی گھر کو بجلی اُس کے روئے روشن کی

اس نے نہ چھوڑا میرا جلانا خاک میں بے تقصیر ملانا
کام نہ آئی کچھ بھی دل گرمی آہِ آتش افگن کی

دورِ ناز و تکبر دیکھو اُڑ کے نہ بیٹھے نخوت سے
روئے چرخِ اطلس پر بھی گرد ہمارے دامن کی

تیری گلی میں آ کر گلرو عاشق پر بھی سکتا ہی
چاہ نہیں ہے اور کسی کو خواہش سیر گلشن کی

شکوۂ ناکامی پر طعنِ طالعِ وارثوں کیوں ظالم
میرے بختِ نارس سے تم تک ہے رسائی دشمن کی

میرے شکوہ سے بدظن ہو ہم سرِ دخل نہیں یہ اے اصغرؔ
گرد ہے آگے اپنے فلق کے شوخی اُس کے توسن کی

عاشق اس کو میں ہی کو بیم اجل جاتا ہی	جان جاتی ہو ولے جی تو بہل جاتا ہی

خون امید شہادت ہوگی | مانعِ قتل نزاکت ہوگی ؛
وہ کہینگے کہ ستم اُٹھ نہ سکا | بعد مردن یہ مصیبت ہوگی ؛
اپنی حالت پہ ہنسینگے ہم آپ | کبھی رونے سے جو فرصت ہوگی ؛
ابھی آئے ہو ٹھہر کر جانا | پاے نازک کو اذیت ہوگی ؛
کچھ تو ہو دل میں کہ ہوں میں بیتاب | گر تمنا نہیں حسرت ہوگی ؛
خاک کرنے سے مرے چرخ کو کیا | کچھ اُسی بت کو کدورت ہوگی ؛
ہی گراں ذکر اطبا بھی مجھے | اور کیا ضعف کی شدت ہوگی ؛
حشر میں گر وہ ستمگر آیا | اور اک تازہ قیامت ہوگی ؛
دیکھ آئینہ کہا حیراں ہو | ایسی یوسف کی بھی صورت ہوگی ؛

ملو اصغر صنموں سے ابھی عمر
ہی بہت صرف عبادت ہوگی

تم پہ مرنا ہی کہانی میری | غیر سیکھا ہی زبانی میری
گھر کیا یار نے دل میں تو بھی | نہ گئی دل نگرانی میری
فلک پیر نہ لایا اُس کو | ہو گئی خاک جوانی میری
لے گئی سوئے عدم یاد کمر | بے نشانی ہی نشانی میری
تم میرے حال پہ ہنستے کیا ہو | ہی ستم اشک فشانی میری
گور پر آنے سے اُن کو کیا کام | ہی مگر خاک اُڑانی میری
ضعف سے ہل نہیں سکتا گویا | سبکی بھی ہے یہ گرانی میری
دل کی باتوں نے بنا دی جاں پر | کیا کہوں ایک نہ مانی میری

دیکھیے جو کوی نظر جل جائے
دیکھنا سوختہ جانی میری

چپ لگی یاد میں اس کی اصغر
ہائے وہ شیوہ بیانی میری

خط جب آیا کہیں وحشت تری تغیر ہوئی
بارے مدت میں مری آہ کی تاثیر ہوئی

دہبت خوں مجھے بس نعش کی تشہیر ہوئی
عبرت غیر کو کافی یہی تعزیر ہوئی

وہ خفا میرے منانے کو ہو شاک سے ہی
کس سے تقصیر ہوئی اور کسے تعزیر ہوئی

ناصحا اب تو نہ بک تو کہ کروں یار کا ذکر
خبر دو چار گھڑی تجھ سے بھی تقصیر ہوئی

میری فریاد کو واعظ نہیں سننا گویا
میری آواز بھی آواز مزامیر ہوئی

ناتواں میری طرح سے تو نہ تھی [illegible]
کہ یہاں آنے میں کیوں موت کو تاخیر ہوئی

ایک سے دونوں ہیں نیکی کی امید اُن سے غلط
تیری عادت ہوئی ظالم مری تقدیر ہوئی

بن گئی روز جزا خوف سے نالوں کے مرے
زنگت از بس کہ شب ہجر کی تغیر ہوئی

نہ ٹھہرتا میں سلاسل میں کبھی پر اصغر
ناتوانی ہی مری پانوں میں زنجیر ہوئی

وفا کی جس قدر اُس نے جفا کی
جفا گو یا شکایت تھی وفا کی

اسی دم میں وہ آجائے تو آجائے
ہوا باندھی ہی آہ نارسا کی

رہی یاں تیرے رونے سی شب غم
ہمیشہ صبح عالم میں ہوا کی

فلک لائیگا اس کو رحم پر اب
کہ مجھ کو ہو گئی ہی خو جفا کی

بلالیں روز محشر کو شب غم
اگر ہو بات اس میں مدعا کی

قلق سے دل کے آیا ناک میں دم
کہاں ہیں شوخیاں ناز و ادا کی

بگڑنا غیر کے آتے ہی کیا تھا
بن آئی بات بس اس بے وفا کی

سمجھتا ہوں بہانے سیر گل کے
چلے ہیں خاک اڑانے کو صبا کی

ہوئے ناخوش نیاں دیکھا جو مجھ کو
خدنگ غمزہ نے گویا خطا کی

اٹھائے ہاتھ یوں روتا ہوں گویا
اٹھی تاثیر دنیا سے دعا کی

دماغ شعر خوانی کس کو اصغر
اگر شورش بہی ہو مرحبا کی

وفا کی جان کو روؤں کہ اپنی جان کے لیے
ستم عدو کے لیے ہو نہ امتحاں کے لیے

ہیں فرط شوق سے مجبور تھا شب وصل اور
انھیں یہ رنج کہ بدلے غم نہاں کے لیے

ستم ہی میں دل خوں گشتہ کا کروں ماتم
نشاط عید ہو مژگان خونچکاں کے لیے

اثر سے نالہ لیے ہیں کام کیا کیا کچھ
نہ کیوں کہ جان لیے جائے ارمغاں کے لیے

عدو کا سینہ جو پھٹتا تو خوب تھا افسوس
کیا کس آہ کو برباد آسماں کے لیے

بنا اک اور فلک دود دل کہ شام فراق
بلائیں کچھ تو زیادہ ہوں میری جاں کے لیے

نشاں دہی پے صیاد اگر نہ ہو منظور
کسے دماغ کہ لائے خس آشیاں کے لیے

ہوس قبول جو ہر حال میں ہو شیوۂ ناز
ہیں اور خاک ہوں غیروں کے آستاں کے لیے

وہ بوسہ دیں ہمیں آب بقا سے کیا اے خضر
مرے پہ مرتے ہیں نے عمر جاوداں کے لیے

رگڑنے پائے نہ اس آستاں سے سر ہر چند
جھکے فریب سے پابوس آستاں کے لیے

ہیں قتل عام سے اس کے ہوں شاد شاد اصغر
کہ رحم ان نے رکھا ہو مری فغاں کے لیے

یا دہی کس شوخ کی کیوں بے قراری ہوگئی
زندگانی کیوں ہماری سی تمھاری ہوگئی

حسرت بوئے گل اندام آپ کو بھی ہے کہ یوں
باعثِ دلبستگی بادِ بہاری ہوگئی

روتے ہو منہ ڈھانک کر کس کی ہنسی کی یاد میں
پردہ در یہ آپ ہی کی پردہ داری ہوگئی

وضع کس کی بھائی جو طرز آ گئی میری پسند
کیوں وفا تم کو جفا سے بھی پیاری ہوگئی

رو پڑے کچھ سوچ کر تم زار بلبل کی طرح
سب عیاں گل رد کے ہے دلفگاری ہوگئی

ل گیا اے جاں کہاں سے تم کو تم سلبے وفا
زندگانی کیوں ہماری سی تمھاری ہوگئی

ہیں زباں زد درد آلودہ کس کے غم میں کیوں
نغمہ سازی حیلہ بہر آہ و زاری ہوگئی

گر اٹھے بیتابیِ دل سے تو بیٹھے بھر کے آہ
کیا ہوا یہ کیوں نزاکت تم پہ بھاری ہوگئی

کی تلافیِ ستم عاشق ہوئے وہ اور پر
ہم سے اصغر دشمنی گردوں پہ بھاری ہوگئی

کیا برا تھا آکے تم گر میرا مرنا دیکھتے
دیکھ لیتا میں تمھیں اور تم تماشا دیکھتے

ہاتھ واں جمتے نہیں کیونکر نہ لوٹیں خاک میں
یوں نہ کرتے آہ گر کچھ بھی سہارا دیکھتے

کون دیتا پھر یہ طعنِ ناشکیبائی مجھے
آئینہ میں گر کبھی تم حسن اپنا دیکھتے

ہجر میں گھبرا گیا جی دل کے لگتے ہی اگر
مر گئے ہوتے تو کیوں دکھ زندگی کا دیکھتے

شمع کو ناچار بزمِ وصل میں گل کر دیا
ہم سے کب ہوتا کہ پروانے کو جلتا دیکھتے

جوشِ گریہ سے ہوا تاریک نظروں میں جہاں
ہم اگر ہوتے بھی اس محفل میں تو کیا دیکھتے

روزِ روشن دیکھنا ہوتا مقدر میں تو ہم
خواب میں بھی جلوۂ خورشید سیما دیکھتے

دشمنِ جاں تھی نگہبانی کہ آنکھیں پھر گئیں
اس کو سوئے غیر جو آنکھوں سے دیکھا دیکھتے

بوالہوس اور لافِ جذبِ دل غلط کچھ بات ہے
گر نہ تھا باور تو میرے پاس تم آ دیکھتے

نعش پر آکر ہوا وہ نعرہ زن اور اشک ریز
ہائے گر اور ایک دم جیتے تو کیا کیا دیکھتے

دل تو گھبراتا ہی اُس بن پر تسلی کے لیے
تم تو اصغرؔ اور ہی شغلوں میں بہلا دیکھتے

اے بدگمان ترک وفا کا گمان ہی
دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی ؛

دشمن کے امتحاں میں مرا امتحان ہی ؛

غیرت کی جا ہی حال مرا کیوں نہ شاد ہو
جو تیری آن ہی وہی اپنی بھی آن ہی ؛

ہم بھی کسی سے اب نہ نبا ہیں گے بے وفا
جو دود میرے دل سے اُٹھا آسمان ہی ؛

ہی آہ بے اثر سے یہ درد و بلا کا جوش
میرا مزار کیا ہی کہ ہیرے کی کان ہی ؛

الماس ریزے زخم میں ہیں کس قدر بھری
کہنے کو مثل شمع ہماری زبان ہی ؛

اس مہروش سے کہہ نہ سکے گاہ سوز دل
ورد زبان غلغلۂ الامان ہی ؛

اے آہ رحم چاہیے تجھ کو کہ چرخ کے
کہتے ہیں وہ مقام ترا لا مکان ہی ؛

خانہ خراب عشق کا اعزاز دیکھنا
گویا یہ عیش رفتہ کے پا کا نشان ہی ؛

فرصت میں یاد وصل سے سینہ ہی داغ داغ

ہرجائی ہی وہ شوخ اُٹھا ہاتھ جان سے
اصغرؔ یہ دوستی ہی تو دشمن جہان ہی ؛

شاد ہونا ہو تو پھر قتل کا غم بھی بس ہی
زندگی مرگ طرب کو کوئی دم بھی بس ہی

عرض پابوس ہیں خوں گردن جاناں پہ ہوا
سرفرازی کے لیے بخت وژم بھی بس ہی

نقد جاں عشق میں کیوں کھوئیں کہ اصغرؔ پئے عشق
یہ تو اک چیز ہی ایثار درم بھی بس ہی

پھر آنے کی ٹھیری صنم عربدہ جو کی
رنگ مئے نوشیدہ نظر صاف ہی آتا
تن میں طرب قتل سی آئی تھی ابھی تو
دل رشک کی گرمی سے جلے کیونکہ نہ میرا
برہم ہوئے کیا کاکلِ خمدار تمھارے
ہمسایوں کے دکھ دینے سے حاصل دلِ ناداں

دل میرے پھرے پھر گئی تقدیر عدو کی
تشبیہ ہی شیشہ سے بجا تیرے گلو کی
ٹپکی جو یہ خنجر سے ترے بوند لہو کی
ظالم سبب گریہ ہی گرمی تری خو کی
جب عرض پریشانیِ دل یکسر مو کی
سننے کا نہیں وہ بتِ مغرور کسی کی

دل میں لیں توبہ ہوس آئی نہیں اصغر
اور آئی ہی گا ہے تو وہی جام و سبو کی

نہیں امید اثر گرچہ اک ذرا پر ہی
یہ طول شوق ہی ظالم کہ کہہ نہیں سکتا
نگاہ گرم سے اُن کے جلا ہی دشمن اور
نہ تن کا ہوش نہ جاں کا نہ ہوں میں آپ میں آہ
ہوئی ہی مرگ جو اس رنج زیست پر دشوار
نہ کیوں کہ جامۂ ہستی فنا کروں ہی ہی
ہزار خوں ہوں جگر لیک کہہ نہیں سکتا

فلک کو پھونک کے اب نالہ پھر ہوا پر ہی
خموشی اپنی دلیل اپنے مدعا پر ہی
انھیں گمان مری آہ شعلہ زا پر ہی
دل آگیا کسی بیگانہ آشنا پر ہی
یقیں وفا کا اب اس شوخ بے وفا پر ہی
عدو کے خون سے چھینٹ آپ کی قبا پر ہی
نہ بے وجہ مجھے شک حسنِ بے حنا پر ہی

خود آگیا تری حالت پہ رحم اُسے اصغر
عبث یہ ناز تجھے طالع رسا پر ہی

دشمن سے مجھے مانع وفا ہی
شاید اُسے کچھ اثر ہوا ہی

بے عشق محال زندگانی — جو درد ہی یاں وہی دوا ہی

رکھ شوق سے اپنی زلف میں تو — ظالم مرا دل بھی اِک بلا ہی

کس آس پہ میں بھی اُس کو چھوڑوں — جو ہی سو جہاں میں بے وفا ہی

خنجر اس نازکی پہ نکلا — کیا یہ بھی عدو کا مدعا ہی

اے آہ فلک شکن مبارک — طالع کا عدو کو آسرا ہی

مرتا ہوں کہ اس طرف نہ دیکھا — میری اجل آپ کی حیا ہی

گر شعر میں وصل کا ہو مضمون — کہتا ہی وہ شوخ رونما ہی

تھا یا رہی دل میں اور نہ پہنچا — نالہ اپنا جو نارسا ہی

جس درد کی ابتدا اجل تھی — کیا اُس کی قیامت انتہا ہی

کیا آج بگڑ گئی صنم سے
اصغر لب پر خدا خدا ہی

شوق بیجا ہیں ناز اُٹھانے کے — ہم کہاں بعد آزمانے کے

محتسب سنگسار کو میرے — لانا پتھر شراب خانے کے

تیرے دامن میں آکے غنچہ و گل — پیرہن میں نہیں سمانے کے

تھا یہی شکوۂ صنم کا جواب — کہ تمھیں اب نہیں ستانے کے

ہم تو سو بار جی سے جائیں ولے — تم نہیں ایک بار آنے کے

جذب دل لاخلاف وعدہ کے بعد — کہ بہانے سنوں بہانے کے

صاف ہو تم تو کچھ نہیں عاشق — اپنی ہم خاک میں ملانے کے

سر جدا تن سے ہو گیا اصغر — لطف دیکھے یہ دل لگانے کے

شکوہ ہجراں راس نہ آیا کھل گئی وصل دشمن کی
ہم نے جب تمہید اُٹھائی اُس نے نیچی گردن کی

قبر عدو پر پھول چڑھائے لا کر کوئے جاناں سے
باد صبا نے خاک اُڑائی خوب ہمارے مدفن کی

کیوں نہ اُٹھائے اُس کے اثر سے رنج قفس کا اے ہمدم
ملتی ہی شور مرغ چمن میں وضع ہمارے شیون کی

غیر سے وہ بے وجہ ملا کب جھوٹ کہا یہ جس نے کہا
پھونک نہ دیتی گھر کو بجلی اُس کے روئے روشن کی

اس نے نہ چھوڑا میرا جلانا خاک میں بے تقصیر ملانا
کام نہ آئی کچھ دل گرمی آہ آتش افگن کی

دور زنا ز تکبر دیکھو اُڑ کے نہ بیٹھے نخوت سے
روئے چرخ اطلس پر بھی گرد ہمارے دامن کی

تیری گلی میں آکر گرد عاشق پر بھی سکتا ہی
چاہ نہیں یہ اور کی ہوگی - خواہش سیر گلشن کی

شکوہ ناکامی پر طعن طالع و اژدوں کیوں ظالم
میرے بخت نارس سے تم تک ہی رسائی دشمن کی

میرے شکوے سے بدظن ہو ہم سر دخل نہیں یہ اے اصغر
گرد ہے آگے اپنے قلق کے شوخی اُس کے توسن کی

عاشق اس کو ہیں ہی کو بیم اجل جاتا ہی
جان جاتی ہو ولے جی تو بہل جاتا ہی

رشک سے ہی وہ مرے آتشِ دل پہ روغن
عطرِ محفل میں وہ غیروں کی جو مل جاتا ہی

اُس کو قابو میں شبِ وصل میں لاؤں لیکن
کیا کروں دل مرے قابو سے نکل جاتا ہی

دیکھ لیتے ہو رقیبوں کے بگڑنے کی بہار
دل ہمارا اگر ایک دم بھی سنبھل جاتا ہی

آہ کو بے اثری میں بھی اثر ہی یعنی
وہمِ تاثیر سے دلِ غیر کا جل جاتا ہی

لطفِ سابق کی بھی ہوتی ہی تلافی پیدا
اس قدر بھی کوئی دنیا میں بدل جاتا ہی

پاؤں بھی دیکھتے ہیں یار کے جب دیکھتے ہیں
پائے نظارہ صفا سے جو پھسل جاتا ہی

اصغر اب جرم پئے ہم ہیں ہی مجبور کہ غیر
دیکھ کر تم کو خفا خوف سے ٹل جاتا ہی

افسوس اور دورِ امیدِ سحر گئی
ہجراں کی شب سے صبحِ قیامت بھی ڈر گئی

ظالم فراق کی ہی رقیبوں کو آرزو
پرواز کی ہی زیست اگر شمع مر گئی

بارِ گرانِ ضعف میں کتنا فراق تھا
تکلیف کاوہ و دم بے اثر گئی

دی ماہ تک بھی چاک ہی سینہ بزنگِ گل
فصلِ بہار اب کے یہ کیا گل کتر گئی

صبحِ فراق کوئی نہ ٹھہرا ہمارے پاس
القصہ وہ اُدھر گئی اور جاں اِدھر گئی

مدت کے بعد کی نظرِ لطف اور وہ لے
ہرجائی پن سے آتے ہی آتے بکھر گئی

آیا وہ نعش پر جو نہ آیا تھا عمر بھر
لو زندگی سے موت مرا کام کر گئی

کب شوق کم ہوا مژہ ہائے دراز کا
کب دل سے لذتِ خلشِ نیشتر گئی

اصغر بتوں کے پاؤں پہ سر رکھتے ہو بھلا
وہ حق پرستی اور وہ بزرگی گزر گئی

غیروں کی ہنسنے سے جو وہ خرسند ہو گئے
یہ کھل کے روئے ہم کہ عدو بند ہو گئے

لایا نہ آسماں کبھی اُس جامہ زیب کو
ہر چند ہم زمین کے پیوند ہو گئے

احوال فرطِ ضعف کا اے ہم نفس نہ پوچھ
شور و فغاں اشارے کے مانند ہو گئے

وحشت ہی عشق میں ہیں اہلِ زمانہ سے
دیوانے کیا ہوئے کہ خردمند ہو گئے

جینے سے بس کہ ہجر میں مرنا عزیز تھا
جب غم بڑھا ہم اور بھی خرسند ہو گئے

کہنے سے پند گو کہ نہ چھٹنا وہ مجھ سے پر
طعنے عدو کے حق میں مرے پند ہو گئے

تلخیٔ شوق بوسۂ شیریں لباں نہ پوچھ
ہم کشتۂ صلاحِ سمرقند ہو گئے

اعضا کے لوٹنے کا یہ عالم ہی پند گو
گویا کہ یہ بھی یار کی سوگند ہو گئے

دن رات وصلِ ماہ وش اے اصغرؔ اب کہاں
کیا دن تھے ہائے ہائے جو یک چند ہو گئے

کیا جلد جانے کا گلہ اُس شہسوار سے
بھڑکا سمند نالۂ بے اختیار سے

ہی شوقِ بوسہ خنجرِ مژگانِ یار سے
آتی ہی بوئے خونِ دلِ امیدوار سے

یہ ناز کی کہ طاقتِ خمیازہ بھی نہیں
ہوتا ہی اس کا رنگ شکستہ خمار سے

جل جائے بن جلائے مقرر جو شمع کا
رشتہ بنا ہُوں میرے گریباں کے تار سے

کیا خاک ہو بہار میں دیوانگی کا جوش
نسبت نہیں ہی گل کو مرے گلعذار سے

ناصح یہ سچ ہی گو کہ میں دیوانہ ہوں تو پھر
تقریر جا کے کیجے کسی ہوشیار سے

ڈرتا ہوں میں کہ رشتۂ الفت نہ ٹوٹ جائے
اے بے وفا کشیدگیٔ بار بار سے

مٹی نہ لا کے کوچۂ قاتل سے دے اگر
بھاگے ہماری لاش مقرر مزار سے

اصغرؔ بتوں کو خلد میں دیوے جگہ خدا
دوزخ کی گر بنا ہو ہمارے غبار سے

سمجھا نہ یہ کہ جان عبارت اُسی سے ہی ؛ / تو غیر ظلم دیکھ کے بیزار جی سے ہی
کیا جلنے دل دہی نہیں کیوں تیرے دلنشیں / ورنہ یہ شیوہ ہائے خوش دلبری سے ہی
مجمع ہی خلق کا دم تشہیر لاش ہائے / کیا بیکسی نباہ مری بیکسی سے ہی
سمجھا کہ تاب نالہ و افغاں نہیں رہی / زور آسمان کا مری بے طاقتی سے ہی
اے بوالہوس یہ خندۂ بیجا خلاف یار / ہر چند میرے حال پہ رونا ہنسی سے ہی
رہویں سلامت آپ کی بیوفائیاں / باقی جہاں میں نام وفا غیر ہی سے ہی
حوروں کو دیکھ دیکھ کے جلتا ہوں رشک سے / نقشہ جو ایک خلد کا اُس کی گلی سے ہی
مت دیر کیجیو کہ ہی گو دیر آنے میں / پر دل کمال شوق سے مضطر ابھی سے ہی
صد پارہ یاد نرگس میگوں سے دل ہوا / اس شیشہ کو شکست خیال پری سے ہی
تھی فکر بیگناہی قاتل کو وقت قتل / صد شکر مدعی گلۂ مدعی سے ہی

اصغر سمجھ کہ عشق میں جینا عذاب ہی
گر وہ عدو بھی ہی تو مری دوستی سے ہی

اجل رقیب کی یا میرا وقت آیا ہی / وہ بگڑے بیٹھے ہیں کیا جانے کیا نہیں کیا ہی
میں اپنی زیست سے تھا یارب اس قدر بیزار / کہ میرے خون کا قاتل کو مجھ سے دعویٰ ہی
برا نہ مانیو پھر گر کریں نگہبانی / ہمیں رقیب سہی غیر گھر تمھارا ہی
اجل سے بھی طپش دل نہ کم ہوئی سچ ہی / کسی کا کام کسی سے نہیں نکلتا ہی
ستم رقیب پہ کیونکر کروگے سمجھو تو / یہ کیا کہا کہ ہمیں کیا تمہاری پروا ہی
مزا یہ قتل میں پایا کہ بعد قتل مجھے / تھی جیسے مرنے کی پھر جینے کی تمنا ہی
فغاں سے رہتے ہیں ہمسائے رات بھر بیدار / جہاں میں اتنا ہمارے ہی دم سے چرچا ہی

ہی عشق رشک پری سے یہ وحشت، او ناصح
مجھے بتاتے ہیں دیوانہ ان کو سودا ہی

یہ کاہشِ غمِ الفت بڑھی کہ اے اصغر
تخلص اپنا نہیں اسم با مسمیٰ ہیں

نہ آئیں بہرِ عیادت خیال رہتا ہی
غضب میں رہتے ہیں جی گرنہ حال رہتا ہی

لہو کی بوند کہاں دل میں یہ سویدا ہی
کہ گرمیِ دلِ سوزاں سے لال رہتا ہی

جو چین سے ہو تو دے چین آہِ پیہم سے
فلک کو مجھ سے زیادہ ملال رہتا ہی

یہ درگزر سے مری اب تلک نہیں ورنہ
وہ روز در پئے جنگ و جدال رہتا ہی

وہ دن گئے کہ تھے اُس گل کے پاس رنگ شمیم
اب انتظارِ نسیم و شمال رہتا ہی

کبھی نہ بھول کے دیکھیں وہ دیکھ تو لے غیر
کہ کس قدر اُنھیں میرا خیال رہتا ہی

زبس ہی حرف بہت زخم پر چھڑکنے کا
نمک کا میرے زمانہ میں کال رہتا ہی

ہمیشہ ہی دل اصغر میں شوق شاہد و مے
کہ چہرہ بر عرقِ انفعال رہتا ہی

آ جلد کہ وقتِ نزع بھی شوقِ وصال ہی
کیا حوصلہ وسیع ہی گو تنگ حال ہی

بیتابیاں غضب ہیں مری برقِ آہ کی
ٹھہرے اک آن چرخ کہیں کیا مجال ہی

کیسی شراب نشۂ الفت سے ہی یہ حال
میں کس خیال میں ہوں تجھے کیا خیال ہی

ہی رشک غیر سے ہوسِ وصل جور اب
تیرے مریضِ غم کا ٹھہرنا محال ہی

ہیں مست بزمِ یار سے آتا ہوں محتسب
مے گلشنِ بہشت میں کافر حلال ہی

اے چرخ انتقام پہ پابوس یار کا
اب تک بھی مشت خاک مری پائمال ہے
رونے پہ میرے اب تو نہ ہنس تو جبین غیر
طوفاں رسیدۂ عرق انفعال ہے
دم رک گیا تھا یار دبا آئے خاک میں
سمجھے نہ سد راہ غبار محال ہے
سو مشکلوں سے طعن عدو پر ہوئی صلح
اب کی لڑے تو قصہ مرا انفصال ہے

اصغر ستم اٹھاتے ہیں اک رشک ماہ کے
نقصان جس قدر ہو ہمارا کمال ہے

جدا ہوئے تم کہ حال بگڑا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
بنی ہے جان حزیں پہ کیا کیا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
جگر جدائی سے گرچہ خوں ہے نہ یاد وصلت کا غم فزوں ہے
بھلا میں کیونکر نہ یہ کہوں گا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
عدو کے دل میں بھرا ہے شکوہ وگرنہ یوں وقت گرمجوشی
زباں سے یہ خواستہ یہ نکلا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
نہ تاب و طاقت کا یاں ہے یارا نہ اپنا جینا ہمیں گوارا
نہ دل ہمارا ہے اب ہمارا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
یہ رشک دشمن سے خاک ہونا جو اپنا یاد آئے ہے تو مجھ کو
یہی ہے رہ رہ کے دھیان آتا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
تباہ ہیں عشق میں تو ہم ہیں جو رنج ہے ہجر کا تو ہم کو
تو ہم سے کس منہ سے ہے یہ کہتا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
مری زباں سے کبھی نہ نکلا سمجھ تو دشمن نے مجھ پہ دھر کے

کہا ہی تجھ سے یہ قول اپنا نہ تجھ سے ملتے نہ ایسے بنتے

پس شدۂ ضعف و جوشِ سودا بہ کثرتِ یاس یہ تمنا
ہماری جانِ حزیں پہ اصلا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

پھری نظر تیری میری آنکھیں اٹھالو سر سے تو ہیں جہاں سی
گناہ ہی اس میں کیا کسی کا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

جو تم سے ظالم کو دل نہ دیتے تو مفت کیوں یہ عذاب لیتے
خطا ہماری بجا یہ بیجا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

موافقت تھی تو جان و تن میں دل و طرب میں موافقت تھی
پر اب جو بگڑی تو حال بگڑا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

وہی ہی گرچہ قلق کا موجب وہی گرچہ تپش کا باعث
ولیکن اصغر کبھی نہ کہنا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

ہی لطف کی نگاہ لگاوٹ کی راہ سے
ظالم فریب ٹپکے ہی تیری نگاہ سے

بیتاب ناز ہائے بتے ہم ہوں بے وفا
تسکین ہو دل کو کیا ستم گاہ گاہ سے

ہم نے تو کی تھی دل کے ابھرنے کو آہ ضبط
دم ہی نکل گیا مگر اس ضبطِ آہ سے

صرف ہی وصنم میں نہ تنگی ہو عیز از یں
کچھ اور تو مراد نہیں مال و جاہ سے

ہی عشق اشکِ سرخ و رخِ زرد سے عیاں
ثابت ہوا ہی قول مرا دو گواہ سے

دشمن سے بھی نبھائے تمھاری بلا عبث
ہی اس قدر اگر تمھیں نفرت نباہ سے

جوشِ جنوں میں خاک اڑانے کی حد نہیں
عالم تباہ ہی مرے حالِ تباہ سے

دیکھی ہی ساتھ غیر کے وہ چاندنی ضرور
ہی آج زخمِ دل کو ضرر عکسِ ماہ سے

چاہا نہیں کسی کو جو چاہو تو دیکھ لو ۔۔۔ میں تم سے بھی زیادہ ہوں بیزار چاہ سے

لے آہ اُس گلی کی طرف کو اُڑا کہیں ۔۔۔ میں ناتواں سبک ہوں کہیں برگِ کاہ سے

اے دل شکن نہ پوچھ کہ گزری ہے دل پہ کیا ۔۔۔ اب ہے شکستہ تر تیری طرفِ کلاہ سے

وہ مہروش ز بس مرے دل میں ہے روز و شب ۔۔۔ تشبیہ اپنے دل کو ہے یوسف کی چاہ سے

آنکھیں لڑیں جو اُس سے بڑا دل عذاب ہے ۔۔۔ پائی سزا کسی نے کسی کے عذاب سے

آنے دے اپنے کوچے سے اصغر اگر وہ بت
نکلیں بھی ہم نہ پھر تو درِ خانقاہ سے

کاہے کو محبت سے مجھے یاد کریں گے ۔۔۔ کیا وہ کبھی دشمن پہ بھی بیداد کرینگے

ناصح نہ کہو کچھ کہ نہیں تابِ سماعت ۔۔۔ سمجھا دیں جو حضرت مجھے ارشاد کرینگے

دم نکلے ہی اس غم سے کہ گر ہے یہ نقاہت ۔۔۔ ہم حشر میں کس طرح سے فریاد کرینگے

اب مرتے ہیں اب مرتے ہیں کہوینگے شبِ غم ۔۔۔ یوں شاد ہم اپنا دلِ ناشاد کرینگے

اس فال سے واں جاتے ہی مر جائے تو کیا دُکھ ۔۔۔ تعمیر ہم اب غیر کو شداد کرینگے

برباد کیا گھر کو جو وحشت نے تو کیا غم ۔۔۔ ہم خانۂ زنجیر کو آباد کرینگے

یاں تک ہیں نباہوں کہ یہ بیداد بھلا دوں ۔۔۔ عاشق تھا کوئی ہم پہ تو کیا یاد کرینگے

دلی میں کوئی دشمنِ جاں اب نہیں اصغر
ہم قصد سوئے قلعۂ پرشاد کرینگے

جرم جاناں کیا کہینگے روزِ حشر ایماں سے ۔۔۔ دست دشمن سے اُٹھایا ہاتھ ہم نے جان سے

نالہ یاں مونہ سے ابھی پورا تو نکلا ہی نہ تھا
آسماں کے اتنے ہی میں اُڑ گئے اوسان سے

دونوں سے عالم تہ و بالا ہی کچھ نالا مرا
کم نہیں لے غیرت ناہید تیری تان سے

تھا ارادے میں خدا کے ساتھ میرے دردِ عشق
آ گئی ہی مجھ پر خرابی بیشتر سامان سے

خاک ہو کر بھی ترے در سے نہیں جانے کا میں
مدعی سرگوشیاں کرتے ہیں کیوں دربان سے

آپ سے میرے لیے آتش مزاجی سرکشی
سچ تو یہ ہی بوالہوس بھی کم نہیں شیطان سے

ایک آہِ تیز کھینچی کٹ گئی بندِ حیات
قید مشکل تھی مگر ہم چھٹ گئے آسان سے

ناز کی پہ تیغ اُٹھائی اُس نے مجھ پر وقتِ قتل
جھک گئی گردن مری جلاد کے احسان سے

آہ کھینچی کیا خبر ہی آ رہے کب وقتِ سحر
بک بک اصغر کب تلک یوں ناصحِ نادان سے

صلاح اغیار سے ناحق میرے خوں کی ستمگر ہی
مرے نزدیک بہتر ہی ترے نزدیک

ہوا جو جان سے تنگ آ کے اُس کو کیا جلانا تھا
جز کے دن ہمارا ہاتھ ہی دامان محشر

وہ بیخود ہوں محبت میں کہ ہوش آ لدم نہیں آتا
کہاں کا ہجر کیا وصلِ بتاں سب کچھ بر

یہاں دل ہو گیا زندہ ہوا واں رشک سے دشمن
مرا جی جانتا ہی جو قیامت تیری ٹھو

ہزاروں جان سے جاتے رہے بس ایک جنبش میں
فزوں تلوار کے چلنے سے ہی رفتا

میری لاف وفا پر کہتے ہیں وہ غیر کو بے جا
کسی نے بے وفائی کی مگر طعنہ کسی

خدا ہی کو ہمارے حال پر رحم آئے تو آئے
عدو سے وہ سوا دشمن فلک اُن سے

بجوشِ رشک دیکھو دھیان بھی اپنا نہیں جاتا
دل جاناں میں اس باعث کہ وہ ا

زیادہ اٹھ سکے قاصد سے کب بس کیجئے اصغر
بیانِ شوق لکھیئے گا کہاں تک ایک دفتر ہی

تیری بلا سے دل کو اگر پیچ و تاب ہے
اے زلف خم بہ خم تجھے کیوں اضطراب ہے

وہم و خیال غیر نے بیتاب کر دیا
زمین بار سے مری حالت خراب ہے

سر تا قدم اک آبلہ ہوں اشک گرم سے
ہر عضو کی جگہ مری چشم پر آب ہے

آنکھوں میں ہی مگر نظر آتا نہیں مجھے
آنکھوں کا پردہ روئے صنم کا حجاب ہے

اب تم ہو اور خاطر دشمن سے مجھ پہ ظلم
کل ہم ہیں اور داور روز حساب ہے

اس طرح نکلی حسرت نظارہ دل سے ہائے
یعنی ہیں تیرہ روز ہوں وہ آفتاب ہے

فرقت ہی تجھ کو ایک مجھی سے جہان میں
یاں سب جہاں سے تیرے سلو اجتناب ہے

بتاں کا جان پہ صدمہ ہے بعد مرگ
جو زندگی میں تھا وہی اب بھی عذاب ہے

غزل

کا... اس سے زیادہ پاس عدو کا نہ کیجیے
واں میرے ساتھ آپ کو رسوا نہ کیجیے

نا... دم اسی سے چاہیے جس نے دکھا دیا
جو چاہے آپ کو اسے چاہا نہ کیجیے

اب ... مستیٔ الفت نہ کر سکی
اے دل بلا سے جرات رندانہ کیجیے

اس فا... کی صبح میں ہر دم شب وصال
مجھ سے خدا کے واسطے پوچھا نہ کیجیے

برباد ... ستم میں مزا طرفہ شوق سے
دشمن کا کیجے پاس ہمارا نہ کیجیے

یاں تا... پینے کی بھی ذرا سیر دیکھیے
ہر لحظہ سوئے غیر نظارا نہ کیجیے

اصغر لکھیں گے ایک غزل تا سبا نہ ہم
کاتب کے ڈر سے خوف عذا کا نہ کیجیے

جرم جا...ک صنم خانہ کیجیے
اے دل بتا کہ کیجیے یا نہ کیجیے

دل سے خیالِ وصلِ صنم کو نکالیے
آباد گھر کو جی میں ہے ویرانہ کیجیے

فریاد دل سے اک بھی آجائے دم اگر
مذکور راہبانِ کلیسا نہ کیجیے

ہم رنگِ مے سے توبہ پشیمانیوں میں ہے
خونابِ چشمِ تر سے بہایا نہ کیجیے

یاد آئی وقتِ طوف اگر پیشِ طاقِ دیر
محرابِ کعبہ کو کبھی سجدہ نہ کیجیے

تشبیہ کوئی بت سے ہو دوزخ بجاں قبول
لیکن خیالِ جنتِ ماویٰ نہ کیجیے

تنہا نہ کیجے تو دے لبِ معجز نما پہ دم
جاں دیجے چارۂ دلِ شیدا نہ کیجیے

سوز ہیے کھا کے ہجر میں ہم شوق سے مگر
غم تیرے ساتھ سونے کا کھایا نہ کیجیے

ہیں اس لیے فقط مری شب زندہ داریاں
روئے صنم کو خواب میں دیکھا نہ کیجیے

دیوانہ بن کے پہنیے زنجیر پاؤں میں
لیکن خیالِ زلفِ چلیپا نہ کیجیے

توبہ بتوں کے ملنے کی توڑو گے لاکھ بار
اصغر ابھی جوان ہو دعویٰ نہ کیجیے

کیا دل کی بات ساقیِ گلفام پر کھلے
لب میرے بند ہوں دہنِ شیشہ گر کھلے

قاتل پہ رازِ شوقِ شہادت اگر کھلے
ٹوٹے کمر کسی کی کسی کی کمر کھلے

مرگِ عدو نے اور پریشاں کیا ہمیں
یعنی کہ پھر رہے ہیں وہ ماتم میں سر کھلے

توڑا جنوں کے جوش سے زنجیر و طوق کو
زنداں کے در ہیں ہم ادھر آئے اُدھر کھلے

اللہ رے فرطِ شوق کہ دشمن سے بزم میں
تم اُس کے بخت سے بھی کچھ افزود تر کھلے

وہ شوخ جاتے جاتے تماشے کو تھم رہا
آنکھیں مندیں تو میرے قلق کے ہنر کھلے

حیراں ہوا آئنہ بھی کہ آنکھیں سی کھل گئیں
تیری قبا کے بند جو اے سیمبر کھلے

الفت میں دردِ دل کی زباں کو خبر کہاں
کہنے سے میرا حال کب اے چارہ گر کھلے

کی التجا سوا کہ زیادہ بڑھے نہ رنج
بگڑنے وہ ہم سے رک گئے ہم اس قدر کھلے

اصغر وہ ہرزہ گرد ہیں اور ہم شکستہ پا
جاسوس ہمنشیں نہیں کیونکر خبر کھلے

اُن کو ہیں سو عذر یہاں ہم تک آتے ہوئے
اور یہاں گھبرا گیا جی دل کو بہلاتے ہوئے

زیست تو دشوار تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
کہہ گئے ہیں اپنے آنے کی وہ پھر جاتے ہوئے

ہوش آ جائیں تو سمجھوں بات کو اے ناصحو
لے چلو تم اُس گلی میں مجھ کو سمجھاتے ہوئے

اب سمجھ لیویں گے کیا اچھا بہانہ مل گیا
مدعی کو آپ دیکھا ہم نے بہکاتے ہوئے

کوئی تدبیر اُس مسیحا دم کے آنے کی کریں
چارہ گر کس واسطے پھرتے ہیں گھبراتے ہوئے

کر دیا نادم مجھے شرم و حیائے یار نے
غیر کو شرما گئے وہ آنکھ دکھلاتے ہوئے

ہیں جفاؤں کی ندامت یا رقیبوں کا حجاب
نقش پر اپنے چلے آتے ہیں شرماتے ہوئے

شام وصل اے بوالہوس مرجا میاد ا ہجر ہو
ساعت بد کو نہیں لگتی ہے دیر آتے ہوئے

شمع ساں جلتا ہوں سوز رشک سے یہ دیکھ کر
مہروش کو شمع خاک غیر پر لاتے ہوئے

کیوں مجھے غصہ نہ آوے پاس اتنا غیر کا
آئے وہ تو دور ہی سے مجھ پہ جھنجلاتے ہوئے

کس طرح اُس کو دکھاؤں پیچ و تاب دود دل
جو الجھا ہو وے اپنے بال سلجھاتے ہوئے

کیوں نہ گھبرا کر اُٹھے بالیں سے میرے وقت نزع
سچ ہے کب دیکھا کسی کو اُس نے مرجاتے ہوئے

ناصحوں کے ہاتھ سے سم کھا کے **اصغر** مر گیا
ہائے وہ اُس کا موئی جانا قسم کھاتے ہوئے

ہر عیادت آمد جاناں دوا ہوئی
سمجھا فریب وہ جو یکایک شفا ہوئی

افسوس عشقِ کاکلِ پرخم نہ چھٹ سکا ٭ زنجیر پا سے اور بھی وحشت سوا ہوئی
اُس کے خرامِ ناز کی غفلت کو کیا کہوں ٭ خاک اپنی پائمال نسیم و صبا ہوئی
پھر ہائے صورِ حشر نے بیچین کر دیا ٭ تھی بعدِ مرگ دل کو تسلّی ذرا ہوئی
ہم کو ہمارے دل کا سب احوال کھل گیا ٭ جب خون تیرے ہاتھ سے ظالم حنا ہوئی
غم سے گھٹے تو مرتبہ الفت میں بڑھ گیا ٭ کاہش ہماری باعثِ نشو و نما ہوئی
ہیں چونک اُٹھا کہ آہ کی تاثیر تو نہ ہو ٭ نازل جو آسماں سے زمیں پر بلا ہوئی
نیرنگ عشق ہیں غضب قلبِ ماہیت ٭ تھی جو مری قضا نگہ سرمہ سا ہوئی

اصغر جفا میں یار کی تقصیر کچھ نہیں
ایسے کو دل دیا یہ تجھی سے خطا ہوئی

زنداں میں دل پہ داغ غم کوئے یار رہی ٭ بلبل کو یاں قفس میں چمن کی بہار رہی
کرتا ہی کون دیکھیے اب چارہ دیا ٭ آتش زنِ سموم دمِ شعلہ بار رہی
گو آنکھ بند ہو گئی پر وا ہی چشمِ شوق ٭ ہے یہ دم نہیں پہ ترا انتظار رہی
اے جوش یاس بس کہ یہاں فرطِ شوق ہی ٭ ہے یہ دم نہیں پہ ترا انتظار رہی
اے مہر سوئی آئنہ کیوں چشمِ التفات ٭ حیرانیوں کا میری اک آئنہ دار ہی
نظروں میں بس کہ کھٹکے ہیں تیرے سازِ جنبش ٭ پھولوں کی سیج بھی مرے بستر پہ خار رہی

اصغر بھلا ہم اب کوئی آتے ہیں ہوش میں
باعث ہمارے عیش کا غفلت شعار رہی

جان کھونے کے سوا کیا ہنر آتا ہی سب مجھے ٭ یہی آتا ہی مجھے کچھ اگر آتا ہی سب مجھے

دل میں ایک قطرۂ خوں ہی نہ جگر ہی میں ہی
یاس بے رونقیِ چشمِ تر آتا ہی مجھے

ترکِ دلدار ہی جاناں کا گلہ کیا ناصح
دل مرا وہ ہی کہ جس سے حذر آتا ہی مجھے

میں تو دبتا ہوں دم اُس قدِ قیامت نے اپر
پند گو آمدِ محشر سے ڈراتا ہی مجھے

کیوں ہی سرگوشیِ دشمن کہ صفائی کے سبب
ہر سخن تیری گلی میں نظر آتا ہی مجھے

تو نے گھبرا کے یہ کیوں کاکلِ مشکیں کھولے
غش تو اب غالیہ مو بیشتر آتا ہی مجھے

آیتیں قربِ قیامت کی پڑھے ہی غمخوار
جب شبِ ہجر خیالِ سحر آتا ہی مجھے

دن کا وہ چین کہاں رات کا وہ خواب کہاں
سوچ رہ رہ کے یہ آٹھوں پہر آتا ہی مجھے

فلکِ پیر سے کیں یارِ جواں سے رنجش
رحم اصغر ترے احوال پہ آتا ہی مجھے

بس کہ رشکِ غیر طبعِ دوربیں پر بار ہی
دل میں آنا اب ترا جانِ حزیں پر بار ہی

کون جیتا ہی سبک ہونے کو نظروں میں بھلا
گر نگاہِ نازِ چشمِ سرمگیں پر بار ہی

لالہ کا کیا ذکر ان کا رنگِ رو کچھ اور ہی
گل کی بو کچھ اور ہی اور اُس کی بو کچھ اور ہی

ہی وفا مطبوع مجھ کو اور جفا تجھ کو پسند
تیری خو کچھ اور ہی اور میری خو کچھ اور ہی

یہ اُٹھا سکتے ہیں ہم اور وہ اُٹھا سکتے نہیں
جورِ جاناں اور ہی رشکِ عدو کچھ اور ہی

سر پہ ہو داغِ جنوں تو ہو گلے میں طوق بھی
زیبِ سر کچھ اور ہی زیبِ گلو کچھ اور ہی

گر ملے حور اے صنم مجھ کو تو محشر میں کہوں
اس سے کیا ہوتا ہی یارب آرزو کچھ اور ہی

سب کے سب ہیں بے تمیز الفت کہاں وحشت کہاں
قیس تھا کچھ اور اصغر اور تو کچھ اور ہی

قتل پر میرے عدو کو کیوں اشارہ کیجیے
آپ ہی تکلیف اک دم کی گوارا کیجیے

کیا لگایا غیر نے میری طرف سے کہیے صاف
راز کو میرے تو مجھ پر آشکارا کیجیے

گر کسی کا حال ہو برہم بلا سے آپ کی
آپ اپنی زلف کو بیٹھے سنوارا کیجیے

کر رہے ہیں وہ تو خنجر تیز اور ہیں شاد ہوں
یعنی اور ایک لحظہ قاتل کا نظارہ کیجیے

بوالہوس سے میری خاطر اب نہ ملیے عمر بھر
عمر بھر میں ایک کہنا تو ہمارا کیجیے

عشق میں **اصغر** جب اپنا دل ہی بیگانہ ہوا
پھر کسی اور آشنا کا کیا سہارا کیجیے

نزع کا سا ترے بن صدمہ یہاں رہتا ہی
اے مری جان کے دشمن تو کہاں رہتا ہی

ہر بُن مو سے ہوا ضبط سے یاں خوں جاری
درد دل کوئی چھپانے سے نہاں رہتا ہی

کبھی دیکھی ہی مگر جذبۂ دل کی تاثیر
کہ میرا دیدہ سوئے در نگراں رہتا ہی

سب کے حصہ کی پلاتا ہی مجھے مے ساقی
عیدیاں رہتی ہی جبتک رمضاں رہتا ہی

ایضاً

ایک دم بے صنم و بادہ نہ گزری اپنی
نہ کبھی توبہ کہ عادت تھی قدیمی اپنی

قتل کو میرے کنایہ سے کہا شب اُس نے
پڑ گئی بزم میں ہر ایک کو اپنی اپنی

امتحاں سے مرے جلد اپنی تشفی کر لو
میں بھی مضطر ہوں ہی کیا چاہوں تسلی اپنی

اجنبی جان کے منہ اُس نے چھپایا ہم سے
ہیچ وہ صورت نہ رہی آج جو کل تھی اپنی

عاشق مست ہوں یہ ہوش کہاں ای مجنوں
کہ جنوں کس پہ ہی اور کون ہی لیلیٰ اپنی

حال کھلتا ترے دل کا بھی مگر تم نے کبھی
ناز سے آئنہ میں زیب نہ دیکھی اپنی

ہوگیا عشق کا چرچا یہ لگی چپ مجھ کو
تم نے کس واسطے آواز سنائی اپنی

تو اور اصغر یہ زبوں حال ترا اے کمبخت
کھوئی کیوں تو نے وہ عزت وہ امیری اپنی

نامہ لانا اور ان سے کافر سے
معجزہ ہی جو ہو پیمبر سے
چرخ کو یہ تمیز جو رکھا اس
مشورہ ہی اسی ستمگر سے
دشمنی ہی تو جلد آ ظالم
جاں کروں گا نثار تم پر سے
پارۂ دل نہیں برستی ہی
جائے اشک ایک دیدۂ تر سے
سادگی بھی تمہاری آفت ہی
ہی قیامت بہار زیور سے
چارہ گر خم کا خم پلا مجھ کو
زخم دل ہو شراب احمر سے
دل گیا سر گیا وہ لے نہ گیا
داغ تو دل سے درد تو سر سے

وعظ مسجد میں کہہ رہے ہیں آج
اصغر عالم سے نے قلندر سے

اصغر سے میں نے پوچھی حقیقت جو چاہ کی
دل پھٹ گیا وہ تھام کے دل اُس نے آہ کی
کیوں میکدہ سے سوئے حرم لیچلا سپہر
یارب سزا ملی یہ ہمیں کس گناہ کی

قطعہ

ہمدم خدا کے واسطے جلدی سے لا مری
آنکھوں سے دل کے کم ہو کدورت گناہ کی

مانا کہ واں سے خط نہ لگا اس کے ہاتھ لیک
قاصد کہ پاؤں پر تو ہی گرد اُس کی راہ کی

بگڑے ہی وہ سیہ جو کہا ہیں نے چشم کو
بس اب تو بن پڑی فلکِ روسیاہ کی

کہتے ہیں سب مجھے تو پر اتنا نہیں کوئی
اُس سے کہے کہ کیوں نہ سُنی دادخواہ کی

ڈرتا ہوں ہیں اثر سے کہ تو بے مزا نہ ہو
ورنہ بیاں کروں کہ یہ لذت ہی چاہ کی

ہی روزِ عید چھوڑ کے مے خانہ محتسب
کس کو پڑی ہی سیر کرے عید گاہ کی

قربان یار آکے مجھے مرتے دم کہا
اصغر وہ یاد ہی جو قسم تھی نباہ کی

وہ کہ دشمن کو بھی امیر کرے
حیف ہی گر مجھے فقیر کرے

کھول دی تا وہ زلف کہتا ہوں
کون ہی جو ہمیں اسیر کرے

ہم تو دل دینے ہی کو پھرتے ہیں
یار بھی کاش کچھ ضمیر کرے

اُس سے خلوت کی کچھ نہ نکلی راہ
مشورے ہم نے گو کثیر کرے

دو کبھی وہ شراب خاص مجھے
جانِ دشمن میں جو لکیر کرے

ہو تو کم سن پہ وہ غضب کہ سلام
دور سے تم کو چرخ پیر کرے

دل نہ دے جان لے ملے نہ ملے
یار کی جو ہو دل پذیر کرے

عشق میں کام کچھ نہیں آتا
جمع کوئی زرِ خطیر کرے

جو کیا دل نے مجھ سے عالم میں
نہ کسی سے کوئی مشیر کرے

در پہ بیٹھا ہوں گالیاں کیوں دو
ہو جو ابدا دعا فقیر کرے

بس کے تاوے سے ہمسری اصغر
منہ کہاں جو مہِ منیر کرے

مے مجھے بے طلب عنایت کی
آج ساقی نے بس کرامت کی

شکوۂ دشمنی کروں پہ جواب
کیا جو کہوے کہ کیوں محبت کی

عیش خسرو کا مژدہ ہے شیریں
کوہ کن نے عبث مشقت کی

میرے بعد اُس نے ترک جور کیا
یہ بھی خوبی عدو کی قسمت کی

دل نہ توڑو بڑی بنے گی تمھیں
بات بگڑی اگر نزاکت کی

آرزو اپنی کیا جوان موئی
فاتحہ اُس شہیدِ حسرت کی

ستمِ خاص اُس کا عام ہوا
صبر نے اس جہاں سے رحلت کی

ذکرِ دشمن پہ ہم تو بگڑے تھے
بارے اُس نے بھی آدمیت کی

دے کوئی بادہ گر گرو چاہے
یہ ہی دستار ہی فضیلت کی

نہ ہوا بار بار پر نہ ہوا
ہم نے دشمن کی بھی اطاعت کی

یار سے بد دماغیاں اصغر
عاشقی میں بھی لاابالیت کی

شمع ہنگامِ سحر بزم میں جب گل ہو جائے
حیف نالاں نہ ہو پروانہ کہ بلبل ہو جائے

سر بریدہ ہو قلم ہاتھ ہوں کٹ جائیں پاؤں
قطع امید پہ انساں کو توکل ہو جائے

کیا چھپے عشق چھپائے سے کہ گر چپ رہیے
اتنا چرچا ہو کہ پھر شہر میں اک غل ہو جائے

روتے روتے اسی حسرت میں ہوئیں آنکھیں کور
راحتِ گوش کبھی خندۂ قلقل ہو جائے

دیکھنا دل کے بخارات پے تسکیں گاہ
گل رکھوں سر پہ تو بس صورتِ سنبل ہو جائے

دل و جاں تاب و تواں صبر و خرد حاضر ہیں
کاش اتنے ہی پہ غمزے کو توکل ہو جائے

یا انھیں بار رہو ہم بزمیِ دشمن یارب
یا کچھ ایسا ہو کہ مجھ کو ہی تحمل ہو جائے

وعدہ آنے کا کیا اس نے ولے ساتھ | شرط یہ بھی ہو کہ مانع نہ تغافل ہو جائے

آپ اصغر ہیں فقیر اور خدا سے نزدیک
کچھ دعا کیجئے اس بت سے توصل ہو جائے

ہدفِ تیر یار ہو کوئی | ہو تماشا شکار ہو کوئی
ناز جو دل ہی نازنین دلبر | کس طرح ہم کنار ہو کوئی
مرگ ہی انتہا ہی کار وفا | کیوں جیے پھر گذار ہو کوئی
ہی جنوں ذوق ذبح سے پہناؤ | طوق اگر خاردار ہو کوئی
ناوک انداز غمزہ جب جانیں | تیر سینہ کے پار ہو کوئی
صبر و تاب و شکیب سے بگڑی | آشتی پہ نہ یار ہو کوئی
خاک بھی اپنی واں نہیں اب چیز | اس کے در کا غبار ہو کوئی
دیکے دل کچھ بھی گر مزا پاوے | بیوفا جان نثار ہو کوئی
تم زمانہ کے دوستدار بنے | کس کا اب دوستدار ہو کوئی
جب نہ تب سخت کیوں سنے کب تک | بیگنہ سنگسار ہو کوئی
سرخوشِ جام عشق ہوں جز مرگ | مجھ کو رنج خمار ہو کوئی
در دندانِ یار سے مانا | گوہر شاہوار ہو کوئی
عشق بے آبرو نہ رسوا حسن | آہ کیا اشکبار ہو کوئی
ہم رہے شہر یار ہیں جیسے | محرم شہر یار ہو کوئی
وصل ہیں بھی نہیں قرار مجھے | اور کیا بے قرار ہو کوئی
کیا کرے صبر تو ہی کہہ اصغر | جب نہ امیدوار ہو کوئی

لڑتے ہیں وہ پھر آنکھ لڑتی ہے
بانک پن اُس جوان کا مت پوچھ
اس سے چندے بنی رہی پر یوں
خانۂ دل میں آبسا پھر عشق
بیوفا ہاتھ سے جفا کے تری
دم وصف سخن تراشی یار
قافیے اک غزل کے دوبدو کھول
تیرے عاشق کی سرنوشت ہے وہ
تم ہو نازک مزاج یار نہ ہو

عشق ہے بنتی ہے بگڑتی ہے
نام لیتے زباں اکڑتی ہے
اب بگڑتی ہے اب بگڑتی ہے
اپنی نگری پھر اب اجڑتی ہے
اب وفا ایڑیاں رگڑتی ہے
خود بخود دل سے بات گڑتی ہے
نکتہ میں یوں ہی بات بڑھتی ہے
کہ سبق جس کا یاس پڑھتی ہے
تیوری گو مجھی پہ چڑھتی ہے

گرم ہے فہرست قتل عام میں کیا
ظالم اصغر جہاں سے بڑھتی ہے

نہ کرے قدر وفا کوئی اگر جاں دیجے
ہائے وہ شرم سے دل لے کے مکرنا تیرا
کیا ہوا میں جو سن کے مرے نالے خطاب
اس کی پس خوردہ جو کچھ درد میسر ہو تو خضر
تجھ کو لیلی پہ فدا کرنا تھا اے قیس دریغ
حور کہیے کہ پری مہر سمجھیے کہ قمر
کاش مر جائیں کہ تیرا بھی ٹھکانا نہ رہے
رہ گئی حسرت بیداد تو ہی خاک مری

ہے یہ وہ جنس گراں بیچئے ارزاں دیجے
لاکھ دل ہوویں تو مجھ کو تنہے قرباں دیجے
مجھ کو ہم نغمۂ طوطی خوش الحاں دیجے
ہم نہ بدلیں کبھی گر چشمۂ حیواں دیجے
نقد جاں اور پے آہنگ حدیخواں دیجے
کس سے نسبت تجھے اے رشک گلستاں دیجے
بددعا اور تجھے کیا شب ہجراں دیجے
توسن ناز کو بس رخصت جولاں دیجے

دیکھے دل دیکھ لیا حال ہی جو اس پر بھی
ہو جو اصغر تمہیں جان دینے کا ارمان دیجے

کیا برا ہی اگر یہ خو کیجے — کہ خیالِ رخ نکو کیجے
عیش دشمن کو دیچکے ہیں رنج — اب رہا کیا جو آرزو کیجے
جان کھونے کو اک بہانہ ہی — ورنہ کیوں دل کی جستجو کیجے
عاشقوں کا قتل تماشا ہی — آپ بھی سیر تو کبھو کیجے
جس کے مژگان سے دل فگار ہوا — وہ نہ دیکھے تو کیا رفو کیجے
جی ہی جب سنتے سنتے خاک ہوا — کب تلک پاسِ آبرو کیجے
وہ ہمارا نہ ہی نہ ہووے گا — مفت برباد آپ کو کیجے
خوب رو زشت خو نہیں ہوتے — سچ سہی اور گفتگو کیجے
دوسرا تم سا آئینہ ہیں کہاں — دیکھوں جس سے تو روبرو کیجے
ہی گنہگار جام سے محروم — ہاں مگر رحمت سبو کیجے
مژدہ اے زخمِ جاں کہ جی بس ہی — شکوۂ زلف مشکبو کیجے

ہی شہادت کا وقت اے اصغر
آبِ شمشیر سے وضو کیجے

بس اب تو صبح قبلۂ حاجات ہوگئی — سجدے پہ سر کو کاٹا مکافات ہوگئی
نکلا نہ دن کو مہر مرے دور میں کبھی — آیا نظر نہ ماہ اگر رات ہوگئی
اے عشق غم کے کھانے میں کچھ بھی اثر نہیں — ضائع ہماری مفت سب اوقات ہوگئی

کیا غم نہ بولنے سے ترے ہم موئے جو بات
کہنے کو دشمنوں کے دلی بات ہو گئی

مرکے چھٹے عذاب سے تعویذ گور کا
تختی برائے دفع بلیات ہو گئی

لوہو کے گھونٹ پیتے ہیں کیونکر نہ روئیں ہم
موسم ہوی کشتی کا برسات ہو گئی

جس کے لیے جدا ہیں ہوا دل سے اے خدا
اس سے بھی آہ ترک ملاقات ہو گئی

کب خالی ہاتھ پاؤں رکھا عشق نے یہاں
حسرت تمام عمر کی سوغات ہو گئی

گھر کس کے روز وعدہ تو بیٹھا کہ منتظر
در پر کھڑے کھڑے سے مجھے رات ہو گئی

کیا چپ ہم آہ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
گر ناگوار طبع کوئی بات ہو گئی

واں ربط بڑھ گیا کہ گھٹے غم سے ہم غرض
گزری جو عشق میں سو مساوات ہو گئی

باز آ تو روسیاہ اب اس سرخ پوش سے
رونے سے آنکھ دیکھو تو بابات ہو گئی

اصغر ہی توبہ کر کے حرم کو چلا گیا
افسوس ہے تباہ خرابات ہو گئی

اوس سے آلپٹے بسا لو سس اب اغیار کئی
اپنے اک درد میں پیدا ہوئے آزار کئی

روز روشن کی مرے درد و الم سے پوچھو
جز شب تار ہیں ہیں محرم اسرار کئی

دل کے بازار ہی میں بن گئے ٹکڑے صد حیف
بس کہ شامل تھے رخ و زلف خریدار کئی

یاد ابرو وہ مرا نالہ شب آہ سحر
کھنچے رہتے ہیں مری جان پہ تلوار کئی

نیم بسمل ہوں تڑپنا تو مجھے یوں مت چھوڑ
ہاں ستمگار خدا کے لیے بس وار کئی

نہ سنو اور کی تم ایک تو سن لو میری
گرچہ کہنی نہیں باتیں تجھے اے یار کئی

محتسب نہیں ہے درکار تو اس راہ نجا
[illegible]

مضطر نہ کہو کہ صبر میسر ا ؎
دشمن پہ کبھی پڑا نہیں ہی

آنکھوں نے کہاں سے تم سا دیکھا
کانوں نے کبھی سنا نہیں ہی

ساقی لا مے بہت ہوئی دیر
اب ہوش مجھے ذرا نہیں ہی

یارب وصل بتان تو خط ؎
قسمت میں مری لکھا نہیں ہی

آئے جو نماز میں وہ کافر
پھر صبر سلام کا نہیں ہی

توڑا نہیں عہد بے وفا سے
اُن سا کوئی باوفا نہیں ہی

اصغر سے بھی لوگ کم ہیں تم بھی
بلوا کے ملو برا نہیں ہی ؎

تجھ پر شہید تیغ زن اے تیغ زن ہوئے
بانکوں کی تیرے سامنے نہ بانکپن ہوئے

کیا بیٹھے اُس کو تشنہ میں آہو نگاہ ہم
جب آئے ہوش میں تو نشے بھی ہرن ہوئے

اپنا بھی دل نہیں جو تمھارے کمر نہیں
ہم بے زباں ہی خلق جو تم بے دہن ہوئے

شیریں بنی سخن سے ہوے لب ہی بند آہ
طے جب کہ عذر بوسہ کے سارے سخن ہوئے

تیروں کو کھینچیو نہ اگر آزما چکا ؎
بیر حسم جم کے خون سے جز و بدن ہوئے

بیرنگ عشق میں بھی ہو کیا قلب ماہیت
تھے ولولے جو شوق کے رنج و محن ہوئے

غربت میں بچ رہے تھے ذلت سے عشق کے
وارد ستم ہوا کہ کئی ہموطن ہوئے

اُس کے خرام ناز کی غفلت کو کیا کروں
ہم پائمال گردش چرخ کہن ہوئے

زلفوں کو اُس کی مشک سے اصغر نہ دے مثال
غش حلقہ حلقہ آہوئے ملک ختن ہوئے

گو قابلِ امتحان کے ہم ناتواں نہ تھے
پر تیرے ناز تو کبھی دل پہ گراں نہ تھے

کیا شکوہ دشمنی کا وہ پہلے ہی کہتے ہیں
آگے تمہارے حال سے ہم مہرباں نہ تھے

عاشق ہوا ہوں پیری میں اب کیا مذکریں
میں نوجواں تھا جبھی طالع جواں نہ تھے

بخت ضعیف عشق میں طفلی سے مشیر
لڑکوں کا کھیل جب بھی تماشائے جاں نہ تھے

کیا جانیں کس طرح سے نکالا ہی یار نے
روتے ہیں مجھ کو دیکھ کے وہ بھی جو داں نہ تھے

اس لطف کے نثار کہ اُس نے کہا نثار
لائق وگرنہ اُس کے بھی ہم نیم جاں نہ تھے

ذکرِ علاج کشتہ گفتارِ یار ہیں
چپ ہو رہے مسیح کہ جادو بیاں نہ تھے

برگشتہ بخت ہم سے سبک عشق میں کہاں
کب ہم نے پاؤں چومے کہ وہ سرگراں نہ تھے

بن پوچھے کیونکہ حال سناؤں کہ خوف ہے
از خود کہوں کہانی کہیں قصہ خواں نہ تھے

ہم بھی جگر بھی دل بھی ملے ایسے خاک میں
یہ بھی نشاں نہیں کہ کہاں تھے کہاں نہ تھے

کچھ روزِ حشر بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا
لیکن فسوس ناز اٹھانے کو آسماں نہ تھے

اصغر غضب ہیں ناز تو اس بت کے آج جو
کم کم ستم رہے ہیں تو بہت مہرباں سے تھے

آنے کا کام کل نہیں ہے رحم آج ہو
جب جی سے جا چکا ہیں تو کب [illegible] ہو

اُس لب کے آگے عیسیٰ کو مانیں ولے جواب
یہ اک سوال جو ہیں ابیت علاج ہو

ہم نقدِ جاں بھی دے کے رہے ہیں قیدِ عشق میں
اے قیس ہر جگہ کا جدا ہی جواب ہو

آنا ہی چشم راست سے خوں چشم جیسے اشک
دل لینی وہاں ہو خون جگر کا خراج ہو

گر نقدِ جاں قبول شہنشاہ حسن کو
ملکِ خراب عشق کا تھوڑا بہت [illegible] ہو

ناصح نمک تلک دہنِ زخم سے دریغ
تو یہ کرائے مجبل کہ ستانا [illegible] ہو

چھوڑا ہے مجھ میں گریۂ خونی نے خاک اب — آنکھیں تلک سفید ہیں گویا کہ علاج ہے

یہ ضعف عشق میں ہے کہ قدموں تلے ہے سر — جو اپنے زیر پا تھا وہ اب سر کا تاج ہے

ہے تاب لطف کی بھی ترے محو ناز کو — مغرور تجھ کو غیر کی کیا احتیاج ہے

دل حسپ ہیں وہ ہونٹھ نہ دوں جان کیونکر آہ — تھا لب پہ عذر بوسہ جو کل وہ ہی آج ہے

عشق اُن سے فتنہ گر کا اور اصغر غرور یہ
کیونکر نہ خاک ہو تو فلک پر مزاج ہے

تا بہ قاتل گزر نہیں ہوتی — اے اجل راہ بر نہیں ہوتی

شیخ کیا خوف ہے قیامت گر — یار کی وضع پر نہیں ہوتی

شمع رو لاف مہربانی اور — شب عاشق سحر نہیں ہوتی

نہ سنا اپنا کام کر ناصح — پند اب کارگر نہیں ہوتی

چھٹ چلے تھے عذاب سے شب وصل — تھوڑی دیر اور اگر نہیں ہوتی

ہمسری تیرے پاؤں کی شب ہجر — ہم سے رشک قمر نہیں ہوتی

جا ہی پڑتی ہے اس طرف کو نگاہ — گو کہ مد نظر نہیں ہوتی

نہ رکھا آدمی وفا نے آہ — چاہ حد بشر نہیں ہوتی

اب شکایت ہے دوستی کی غرض — دشمنی سے مفر نہیں ہوتی

تیرے بن دیکھے یاں وہ حیرت ہے — کہ تجھے دیکھ کر نہیں ہوتی

روز ہجراں میں شام کا کیا کام — ہم نفس دوپہر نہیں ہوتی

دے نہ آب بقا کہ یہ بھی زیست — خضر بے مے بسر نہیں ہوتی

ہو کے عاشق موا جو آہ نہ پوچھ — شادئی کی خبر نہیں ہوتی

کب خرابی جہان کی اصغر
مہماں میرے گھر نہیں ہوتی

ہی شب مہتاب اور وہ مہر زیب خانہ ہی
بحالت سرآن مہر و مہ ہی شب شبہ ہو بیمانہ ہی
شادمانی سے موئے ہم گرچہ وعدہ جھوٹا تھا
دشمنی کہتے ہیں جس کو یار کا یارانہ ہی
میرے دل میں وہ وفا دشمن جفا کیونکر نہ ہو
یعنی ایسے تنگ گھر میں بھی وفا ہم خانہ ہی
سر کو ٹکرایا جو بیجا بے حیا بال آگئے
اپنی کاشانے کی ہر ہر خشت مثل شانہ ہی
پاس حسرہاں دیکھنا ہیں شعر میں بھی بیدہ فکر
وصل کا مضموں جو باندھوں سب میں بیگانہ ہی
یار کے ہاتھوں سے مرنا عشق میں وہ جنس ہی
مول ہاتھ آئے ابھی تو نقد جاں بیعانہ ہی
کیا شکایت کر سکوں اُس بت کی روز داد آہ
میری پیشانی پہ داغ سجدہ شکرانہ ہی
لے چلی تقدیر اب بیٹھے بٹھائے دام پور
دیکھیے قسمت میں کس کس جا کا آب و دانہ ہی
کیا موثر ہو دعائے وصل ناممکن ہی بات
عاشقی اور عیش اے اصغر تو کچھ دیوانہ ہی

کر طلب کیجے تو برا کیا ہے
ابر کیا خوب ہے ہوا کیا ہے

کہیں جاتا ہے تو سدھاریں آپ
ہم غریبوں سے پوچھنا کیا ہے

کہتے آئیں وہ میرے ساتھ اُن کو
کیا خبر تھی کہ اب دعا کیا ہے

تو ہی کہدے کچھ اے مسیحا اب
کہ میرے درد کی دوا کیا ہے

ناز سے سر اُٹھا کے چل لیکن
بے خبر دیکھ پیش پا کیا ہے

بے وفائی پہ تیری مرتے ہیں
ہم نہیں جانتے وفا کیا ہے

آنے ہی محتسب تو آنے دو
بزم میں میری اب دھرا کیا ہے

تجھ پہ مرنا مراد ہے اے جان
اور جینے سے مدعا کیا ہے

سن کے احوال میرا وہ بولے
نہ کہا یہ کہ پھر ہوا کیا ہے

ہوں نہ اقبال بد تو دنیا میں
کام اس روسیاہ کا کیا ہے

درد و غم کے سوا بھی اے اصغر
کیا کہوں میرے دل میں کیا کیا ہے

تھی نہ ہمسر کی شرم کی تو نے
دل لیا جان کیوں نہ لی تو نے

اور کیا بے وفائی ہوتی ہے
اب جفا تک تو چھوڑ دی تو نے

کیا گلہ اُن کی دشمنی کا مجھے
کر دیا خاک دوستی تو نے

لاش پر اژدحام ہی چھوڑا
مجھ کو کس منہ سی بیکسی تو نے

نہیں کہتا میں کج مزاج ہے تو
بات سیدھی وہ نہ کی تو نے

شور و افغاں نے کر دیا آگاہ
تو بھی میری خبر نہ لی تو نے

پند گو مجھ کو مت ستا اتنا
اس کو دیکھا نہیں ابھی تو نے

محتسب میکدہ میں یہ فتنے — آج شاید شراب پی تو نے
کون اٹھاتا جو تو خفا ہوتا — نہ کہا کیوں ہنسی خوشی تو نے
ہو بھلا بندۂ فقیر کے ساتھ — گو برا ہی کیا سہی تو نے

جان کی دشمنی کا کیا اصغر
نام رکھا ہے عاشقی تو نے

تاریخ تولد فرزند جناب حکیم مومن خاں صاحب مومن

دوست میرے جناب مومن خاں — جن کی ادنی صفت سخندانی
جانتے تو اس سی شاعری کوئی — کہ وہ مضمون نو کا ہی بانی
کیا نظیری نظیر ہو اس کا — اس کا جا کر نگینہ خاقانی
اس کو خالق نے اک دیا فرزند — صاحب بخت و جاہ کیوانی
جس کی عمر دراز کو بخشی — زلف دلدار کی سی طولانی
سال تاریخ کے لیے اصغر — تھی نہایت مجھے پریشانی
ہاتف غیب نے جو بس دیکھی — میری واماندگی و حیرانی
روئے الہام سے کہا کہ بڑھا — ابن شاعر پہ لفظ الثانی
(۱۲ ۵۵ ۴۶)
جب حروف عدد شمار کیے — کھل گیا تب یہ سر پنہانی

تاریخ عقد ثانی نواب احمد قلی خاں بہادر

یہ نواب احمد قلی خان نے   کیا ان دونوں بیاہ جو دوسرا
گل افشاں و دعاوں سے ہوئیں نے بھی   مبارک ہو شادی مکرر کہا

۱۲   ۶۲

یہ اصغر نئی وضع ہے غور سے
ذرا دیکھنا ڈھنگ تاریخ کا

تاریخ یک سفر

جس سفر سے خوش ہوں الداس ہیں پھر   غیر راحت رنج تھا ہمدم کہاں
اس لیے سال اس سفر کا یوں کہا   غربت راحت فزا ہیں غم کہاں

۱۰۴۰   ۲۲   ۹۹
۱۲۵۹ =

تمام شد

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)